امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماہنامہ شریعت

جلد 3 ذی قعدہ 1435ء بمطابق ستمبر 2014ء شمارہ 7

اکبر خان اور ملالئی کا نیا روپ

- آقا کے ہاتھوں غلاموں کی شامت
- داعش کی پیشرفت اور عراق کا مستقبل
- استشراقیت اور جمہوریت
- غزہ کی مزاحمت سے ہم کیا سیکھ سکتے ہیں؟

پہلی جنگ عظیم اور اسلامی دنیا پر اس کے اثرات

مجاہدین وسیع علاقے اور دشمن کے کئی مراکز فتح کر چکے ہیں

صوبہ بدخشان کے جہادی مسئول سے خصوصی گفتگو

فرمان نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حرام مال کی نحوست اور بدانجامی

عن عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لایَکسِبُ عَبدٌ مَالَ حرامٍ فَیتصَدَّقُ مِنہ فَیُقبَلُ منہ فَیُبارَک لہ فیہ ولایَترُکہ خَلفَ ظَہرِہ اِلَّاکان زَادَہ الی النّار ، ان اللہ لایمحوا السَّیِیَ بِالسَّیِیِ ولکن یَمحوا السَّیِیَ بالحسن ان الخبیث لایَمحوالخبیثَ ۔

(رواہ احمد وکذافی شرح السنۃ)

ترجمہ :

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ (کسی ناجائز طریقہ سے) حرام مال کمائے اور اس میں سے صدقہ کرے تو اس کا صدقہ قبول ہو اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں (اللہ کی طرف سے) برکت ہو۔ اور جو شخص حرام مال (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ جائے تو اس کے لئے جہنم کا توشہ ہی ہوگا۔ یقینا اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو نہیں دھو سکتی۔ (مسند احمد، نیز شرح السنۃ میں بھی اسی طرح ہے)

امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماھنامہ

شریعت

جلد 3 ذی قعدہ 1435ھ بمطابق ستمبر 2014ء شمارہ 7

ماہنامہ شریعت امارت اسلامیہ افغانستان کا اردو زبان میں واحد اور باضابطہ دینی، ثقافتی اور سیاسی مجلہ ہے، جو امارت اسلامیہ کے میڈیا ونگ اور ثقافتی کمیشن کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے۔ماہنامہ شریعت افغانستان میں جاری کشمکش، حالات وواقعات اور مظلوم مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے بھیانک مظالم کا سچا اور چشم دید عکاس ہے۔

مدیر اعلی : ولید افغان

نائب مدیر : شمس ابدالی

مجلس مشاورت

- ملا اسد افغان
- سلمان بدر
- ہارون بلخی
- فرہاد ہروی
- استاد فریدون

عکس درون

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	اکبر خان اور ملالئی کا نیا روپ	2
2	انسانی حقوق کی یورپی عدالت کا سیاہ فیصلہ	3
3	صوبہ بدخشان کے جہادی مسئول سے خصوصی گفتگو	4
4	آقا کے ہاتھوں غلاموں کی شامت	7
5	داعش کی پیشرفت اور عراق کا مستقبل	9
6	مشکل ترین کام کیا ہے؟	13
7	شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام شہید رحمہ اللہ کی زندگی پر ایک نظر	14
8	اسلامی اور غیر اسلامی [جمہوری] نظام میں فرق	18
9	اخلاقیات کا معیار!!!	20
10	غزہ کی مزاحمت سے ہم کیا سیکھ سکتے ہیں؟	21
11	معاشرتی جرائم کیسے ختم ہوں؟	24
12	تاریخی عالمی دہشت گرد	26
13	اسلام اور جدید علوم	29
14	اشتراکیت اور جمہوریت	30
15	امریکی آقا نے غلاموں کی صلح کرادی	32
16	ترقی میں رکاوٹ کون؟	34
17	پہلی جنگ عظیم اور اسلامی دنیا پر اس کے اثرات	36
18	جنگی جرائم [جولائی 2014]	43
19	شوال کے مہینے میں ہونے والے کارروائیوں کا جدول	44

رابطہ کے لیے برقی پتہ:

shariatmagazine@yahoo.com

انٹرنیٹ ایڈیشن ملاحظہ کیجیے:

www.shahamat-urdu.com

قیمت فی شمارہ: 30 روپے

سالانہ زر تعاون: 350 روپے

سالانہ زر تعاون

امریکہ، آسٹریلیا، افریقہ اور یورپی ممالک.........40 ڈالر

سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات.........30 ڈالر

بنگلہ دیش.........28 ڈالر

ڈیزائننگ: مولوی محمد فاروق

اکبر خان اور ملالئی کا نیا روپ

غاصب قوتوں کے زیر سایہ انتخابات کے نام پر دھوکہ، فریب اور جعلسازی سے بھرے مسلط کئے گئے پراسس میں اقتدار کی خاطر دو امیدواروں کے بیچ پیدا ہونے والی کشیدگی کے حل اور کابل ادارے کے اہم پوستوں تک اپنی کٹھ پتلیوں کی رسائی یقینی بنانے کے لئے امریکہ کے وزیر خارجہ نے ایک ماہ کے مختصر عرصے میں دوبار کابل کا دورہ کیا۔ آخری دورہ کے موقع پر ڈاکٹر عبداللہ کو حکم دیا کہ انتخاب کے نتائج تسلیم کرلو جبکہ اشرف غنی کو ہدایت کی کہ وہ عبداللہ اور اس کی ٹیم کو حکومت میں اہم عہدوں سے نوازے۔

جب ملک کے اتنے اہم اور بڑے فیصلے غاصب قوتیں کرتی ہیں تو اس سے دنیا میں ہمارے ملک کے وقار اور عزت پر حرف آنا یقینی اور لازمی بات ہے اور اس پر ملت کا رنج و غم بھی ایک طبعی اور بجا امر ہے۔ لیکن اپنے دین، وطن اور ملک و ملت کی دفاع، آزادی اور خودمختاری کے حصول کے لئے افغان قوم نے جو بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں اور تاحال دے رہی ہے اس کی بدولت ان حالات میں جہاں ظاہری طور پر چند مفاد پرستوں کی جانب سے ملک و ملت کی تذلیل و رسوائی کی پوری کوشش ہو رہی ہے، اللہ تعالی اس قوم کی سربلندی اور کامیابی کے لئے ایسے اسباب مہیا کر دیتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔

جی ہاں! کابل کے موجودہ اور آئندہ حکمرانوں نے حلقہ بگوش غلاموں کی طرح اپنے مغربی آقاوں کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اپنی غلامی پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے اپنی بدترین تاریخ میں ایک اور سیاہ باب کا اضافہ کر کے دنیا کے سامنے اپنے حقیقی چہرے کو آشکار کیا۔ عین انہی حالات میں اللہ تعالی نے ملت کے وفادار فرزندوں کے ہاتھ سے اسی کابل میں ایسے بڑے کارنامے انجام دلوائے جس سے پوری دنیا میں افغان ملت کا سر فخر سے اونچا ہوا، دنیا کے ہر مسلمان کا دل خوش اور امریکا سمیت پورے مغرب کا غرور خاک میں مل گیا۔ اور نہ صرف افغانستان بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے نامور مفاخر اکبر خان اور ملالئی کی یاد تازہ ہوگئی۔

مغربی غاصب فوجی جب بگرام کے گاوں نیازی میں تلاشی کے نام پر افغانوں کی بے حرمتی کے لئے آئے تو اسی گاوں کی سولہ سالہ نازنین نامی ایک بچی کی غیرت ایمانی جوش میں آئی اور گھر سے بندوق لاکر ایک امریکی فوجی کو واصل جہنم کیا۔ بعد میں یہ بچی دیگر امریکیوں کی فائرنگ سے مقام شہادت پر فائز ہوگئی۔

نازنین کی بہادری سے بھرپور اس حملے نے ایک طرف غاصب قوتوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ امریکا سمیت تمام تر قابض افواج سے افغان ملت کی نفرت اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اب افغان خواتین نے بھی (جن کا پہلے سے بھی افغان جہاد میں بڑا حصہ و کردار رہا ہے) دشمن کے ساتھ آمنے سامنے جنگ اور انہیں جانی ومالی نقصان پہنچانے کے لئے میدان کارزار کا رخ کیا ہے۔ تو دوسری طرف پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے اس میں یہ پیغام بھی ہے کہ وہ دشمن جس نے پوری اسلامی دنیا کو ہڑپ کرنے کے لئے جنگ شروع کر رکھی تھی اس کے ہر قسم کے وسائل سے لیس ہونے کے باوجود آمنے سامنے جنگ میں اتنا کمزور و ناتواں ہے کہ ایک بچی بھی گن اٹھا کر انہیں مار سکتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ نازنین کے اس حملے نے دشمن کو بڑی تشویش میں مبتلا کیا ہوگا۔

اسی طرح قرغئی کے ملٹری اکیڈمی کے ایک نوجوان رفیق اللہ نے دین اسلام اور ملت افغان کی دفاع کرتے ہوئے اپنی بندوق یہاں موجود غاصب افواج پر خالی کردی جس کے نتیجے میں 20 خارجی و داخلی فوجی ہلاک اور زخمی ہونے کے علاوہ ہارلڈ گرین نامی ایک امریکی جنرل بھی اس کی گولی کا نشانہ بن کر ہلاک ہوا۔ اس حملے نے غاصب قوتوں کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔

امریکی حکومت نے ہارلڈ گرین کی ہلاکت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور واضح الفاظ میں کہا ہے کہ ویت نام کی جنگ کے بعد سے اب تک یہ سب سے بڑا فوجی افسر ہے جو میدان جنگ میں دشمن کے ہاتھوں ہلاک ہوا ہے۔ اکثر امریکی نشریاتی اداروں نے یہ بھی کہا ہے کہ گزشتہ تیرہ سالہ لڑائی میں امریکہ کو پہنچنے والا یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ یہی کمر توڑ وار تھا جس کی وجہ سے غاصب ممالک کے فوجی اور سول حکمرانوں کے اعترافات شکست کے ساتھ ساتھ مغربی غلام میڈیا نے بھی امریکیوں کی شکست کا اعتراف کیا۔ اسی سلسلہ میں سی بی سی نامی مشہور امریکی خبر رساں ادارے اور ویب سائٹ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امریکا افغان عوام اور مجاہدین کے ہاتھوں شکست کھاچکا ہے اور 13 برس کی طویل دورانیہ میں افغان مجاہدین کو پسپا کرنے میں میں ناکام رہا ہے۔ CBC نیوز مزید لکھتا ہے کہ: امریکا نے افغانستان میں اپنے محارب فوجیوں کی تعداد کو کم کر دیا ہے اور جو موجود ہیں ان کو بھی اپنے مراکز تک محدود رہنے کو کہا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ وہاں بھی مجاہدین کی کاری ضربوں اور حملوں سے محفوظ نہیں ہیں اور آئے روز انہیں بڑے بڑے جانی اور مالی نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

ہاں! جس لباس میں بھی ہو افغان قوم کے مرد، عورت، بچے، جوان اور بوڑھے سے کوئی بھی غاصب کہیں بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا اور افغانستان میں رہنے کی صورت میں کئی سروں کو تن سے جدا ہونا پڑے گا۔

اب یہ امریکی عوام پر منحصر ہے کہ وہ اپنے لاڈلے اور نازوں پلے بچوں کو اپنے ہاں بلاتے ہیں یا ہلاکت کی وادیوں میں گم ہونے کے لئے انہیں مختلف ناموں سے افغانستان میں رہنے کے لئے چھوڑتے ہیں۔

پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی

انسانی حقوق کی یورپی عدالت کا سیاہ فیصلہ

تحریر: فرھاد

یورپی عدالت برائے انسانی حقوق نے ایک خاتون کی درخواست خارج کردی اور یہ جواب دیا کہ عوامی مقامات پر لوگ اس طرح کا سلوک پسند نہیں کرتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دو افراد ایک دوسرے کے ساتھ مکمل کربات نہیں کرسکتے، بی بی سی کا ادارہ جو مغرب کی وکالت کررہا ہے، نے ایک رپورٹ میں کہا کہ معاشرتی میل ملاپ میں انسانی چہرے کا کردار بڑا اہم ہوتا ہے اور ایک ایسے معاشرے میں کہ جہاں اس معاملے پر مکمل اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ افراد کے درمیان میل جول معاشرتی زندگی کا لازمی جزو ہے، ایک دوسرے سے چہرہ چھپانے پر سوال اٹھ سکتے ہیں۔ یہ رپورٹ بی بی سی نے شائع کی ہے اور اس کی حمایت بھی کی ہے، اگر کسی اسلامی ملک میں خواتین سے متعلق ایسا کوئی فیصلہ سامنے آتا تو بی بی سی کا ادارہ اس پر کیا ردعمل ظاہر کرتا اور کس طرح اسے تنقید کا نشانہ بناتا اور ایک طوفان کھڑا کردیتا۔ درخواست گزار خاتون کا موقف تھا کہ جن مقامات پر مردوں کا رش ہوتا ہے وہاں خواتین کو چہرہ چھپانا اور حجاب پہننا ان کا بنیادی حق قرار دیا جائے اور انہیں اس کی اجازت دی جائے لیکن یورپی عدالت نے یہ حق اس سے چھین لیا۔

اگر واقعی یورپ میں آزادی رائے اور ذاتی معاملات سے متعلق یورپ کا موقف دیکھا جائے تو خواتین کو یہ حق دینا چاہیے کہ وہ مردوں سے اپنا چہرہ چھپائیں، عوامی مقامات پر مغربی خواتین کو ہر قسم لباس پہننے کی اجازت حاصل ہے یہاں تک کہ بہت ساری خواتین اس طرح لباس استعمال کرتی ہیں کہ جس کو لغت کے اعتبار سے لباس کہنا مشکل ہے، یورپ میں عورتوں کو مکمل آزادی کا حق حاصل ہے کہ وہ مردوں کے سامنے غیر اخلاقی اور قابل اعتراض حرکات کریں لیکن عورتوں کا پردہ کرنا پسند نہیں کیونکہ وہاں بداخلاقی اور بیہودگی کی آزادی ہے ان کے معاشرے میں شرافت اور اخلاق کی جگہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کی قدر ہے۔

یورپ میں لاکھوں عورتیں لباس کے بغیر ننگی گھومتی ہیں اگر وہاں کوئی مسلم خاتون حجاب کرے تو اس سے کیا خطرہ پیدا ہوسکتا ہے؟ لیکن یورپ کے اوباش لوگ ڈرتے ہیں کہ حجاب کا استعمال عام نہ ہوجائے اور اگر ایسا ہوا تو پھر عوامی مقامات، بازاروں، پارکوں اور دیگر سڑک پر عورتوں کو آسانی سے ڈھونڈنا ان کے لئے دشواری پیش آئے گی، یورپ میں عورتوں کو جنسی خواہشات کے لئے استعمال کرنا پورے معاشرے کا حق قرار دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ اس کے لئے تیار نہیں۔

فرانس کے بشمول دیگر یورپی ممالک میں بھی عورتوں کے لئے حجاب پہننے پر پابندی ہے مسلم عورتیں گوناگوں مسائل اور مشکلات سے دوچار ہیں بلکہ اس حوالے سے ایک مخصوص گروہ کی جانب سے ان کے ساتھ تعصب کیا جاتا ہے اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس کی بناء پر انہیں قتل کرنے تک نوبت آئی ہے، دو سال قبل جرمنی کی ایک عدالت میں ایک مسلم خاتون ہر ایک بنیاد پرست شخص نے خنجر سے حملہ کرکے شہید کردیا اس نے عدالت میں حجاب سے متعلق درخواست دائر کی تھی، حال ہی میں ایک سعودی خاتون کو بھی اسی جرم کی پاداش میں شہید کردیا۔

یورپ میں مسلم عورتیں حجاب کرنے کا حق طلب کرنے پر شدید مشکلات سے دوچار ہیں، یہ روشن خیال اور مغرب کے آلہ کاروں کے منہ پر زور طمانچہ ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورتوں کو زبردستی حجاب کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، یورپ میں کسی بچی پر بھی جبر نہیں کیا جاسکتا وہ اپنی مرضی کے مطابق لباس استعمال کرتی ہے لیکن عورتوں کے مطالبے کے باوجود انہیں پردہ کرنے کا حق نہیں دیا جاتا اور انہیں نیم برہنہ لباس پہننے پر مجبور کرکے حجاب کرنے پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یورپ میں خواتین پر جبر کیا جاتا ہے، ان کے معاشرے میں کئی ایسے کام ضروری قرار دیئے گئے ہیں جن کا مقصد خواتین کو بے پردہ کرنا ہے بلکہ یورپ میں عورتیں مجبور کی جاتی ہیں کہ وہ مردوں کے ساتھ ناجائز طریقے سے جنسی تعلقات استوار رکھیں، یہ آزادی نہیں ہے یہ معاشرتی مجبوری اور ظلم ہے کہ عورتوں کو اپنی سہولیت کے لئے ناجائز طریقے سے جنسی خواہشات کی تکمیل کے لئے جہاں میسر ہو استعمال کریں۔

مسلمان عورتیں اپنے ماحول میں اپنی لباس اور اسلامی اقدار کی قدر کریں، پردے کی قدر کریں، انہیں معلوم ہے کہ جس معاشرے میں عورتوں کو نقاب استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے وہ وہاں کتنی مشکلات سے دوچار ہوسکتی ہیں، صورتحال یہ ہے کہ مغربی دنیا یہ مسلمانوں کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کررہی ہے کہ مسلم معاشروں میں خواتین کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا ہے جب کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے تو مغربی ممالک ایک طوفان برپا کرتا ہے اور وہ فوراً مطالبہ کرتے ہیں کہ ایسے واقعات کی روک تھام کے لئے اقدامات کئے جائیں لیکن بدقسمتی سے مسلم ممالک سیاسی حوالے سے اتنے کمزور ہیں کہ وہ پردے پر لگائی گئی پابندی کے خلاف آواز بلند نہیں کرسکتے جبکہ امریکہ اور یورپ اپنے اصولوں اور اقدار کے خلاف معمولی کوتاہی بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

مجاہدین مسلسل طور پر وسیع علاقے اور دشمن کے کئی مراکز فتح کر چکے ہیں

صوبہ بدخشان کے جہادی مسئول قاری فصیح الدین سے خصوصی گفتگو

صوبہ بدخشان افغانستان کے شمال مشرق میں واقع ہے جس کی سرحدیں مغرب میں صوبہ تخار اور پنج شیر، جنوب میں صوبہ نورستان اور پاکستان، مشرق میں چین اور شمال میں اسکی سرحدیں تاجکستان سے ملتی ہیں، بدخشان کا شمار افغانستان کے بڑے صوبوں میں ہوتا ہے جس کا کل رقبہ ۴۴۰۵۹ مربع کلومیٹر ہے اور اسکی آبادی آخری سروے کے مطابق تقریبا آٹھ لاکھ تیئس ہزار افراد پر مشتمل تھی، بدخشان اپنے مرکز فیض آباد سمیت ۲۸ اضلاع پر مشتمل ہے۔

بدخشان ان صوبوں میں سے ایک ہے جن میں امارت اسلامی کی جہادی کارروائیاں عروج پر ہیں اور اس صوبے کے بہت سے اضلاع پر مجاہدین کا کنٹرول ہے رواں سال کے دوران یہ صوبہ جہادی فتوحات میں نمایاں رہا، جہاں کی گئی مختلف کارروائیاں عالمی سطح پر بھی خبروں میں رہے، صوبہ بدخشان کے جہادی حالات کے بارے میں مزید جاننے کیلئے ہم نے اس صوبے میں امارت اسلامی کے جہادی مسئول قاری فصیح الدین صاحب سے سوال وجواب کے طرز پر تفصیلی گفتگو کی ہے جو آپکی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

سوال: محترم قاری صاحب سب سے پہلے قارئین کو اپنا تعارف کرائیں۔

جواب: الحمد اللہ وحدہ، والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ اما بعد: سب سے پہلے آپ کو اور شریعت کے تمام قارئین کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

میرا نام قاری فصیح الدین اور میرے والد کا نام مولوی سیف الدین ہے میرا تعلق صوبہ بدخشان کے ضلع وردوج سے ہے اور فی الحال امارت اسلامی افغانستان کے جہادی تشکیلات کے سلسلے میں صوبہ بدخشان کے عمومی ذمہ دار کے طور پر خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہوں۔

سوال: صوبہ بدخشان میں مجاہدین کی جہادی کارروائیوں کے بارے میں کچھ بتائیں کہ اس صوبے میں خیبر آپریشن کے بعد حالات کس نہج پر ہیں۔

جواب: للہ الحمد بدخشان میں اس سال جہادی کارروائیاں گزشتہ سالوں کی نسبت بہترین اور منظم انداز میں جاری ہیں، مجاہدین مسلسل طور پر وسیع علاقے اور دشمن کے کئی مراکز فتح کر چکے ہیں، دشمن کے بڑے کاروانوں اور فوجی قافلوں پر کاری ضربیں لگائی ہیں اور انکے کئی اہم افراد کو مجاہدین کامیابی سے نشانہ بنا چکے ہیں۔

مجاہدین کی کامیابی کا دوسرا پہلو دشمن کے وہ سینکڑوں اہلکار ہیں جو مجاہدین کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہیں، کیونکہ یہ اہلکار مجاہدین کے ساتھ لڑنے میں مکمل طور پر ناکام ہوئے تھے اب انکے حوصلے پست ہو چکے ہیں اور مجاہدین ہتھیار ڈالنے والوں کو دعوت وارشاد پروگرام کے مطابق مکمل تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

بدخشان کے ان جہادی فتوحات میں ضلع دیرگان کی فتح بھی قابل ذکر ہے، اس کارروائی کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں حکومت کے درجنوں اہلکار اور افسران اسلحوں سمیت زندہ گرفتار ہوئے اور درجنوں اہلکار اس حملے میں ہلاک وزخمی ہوئے، اس حملے میں ۷ رینجر گاڑیاں ایک ٹینک اور بڑی تعداد میں اسلحے بھی غنیمت کے طور پر مجاہدین کے ہاتھ آئے۔

سوال: صوبہ بدخشان کے کتنے اضلاع میں مجاہدین موجود ہیں اس بارے میں کچھ معلومات فراہم کریں۔

جواب: صوبہ بدخشان کے سترہ اضلاع میں مجاہدین موجود ہیں اور مختلف اضلاع جیسا کہ وردوج، جرم، یمگان، تگاب، بھارک، شہداء، اور یفتل علیاوہ اضلاع ہیں جہاں مجاہدین کو کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، اور یہاں مجاہدین کافی قوت میں ہیں، دشمن نے مذکورہ علاقوں پر دوبارہ قبضے کیلئے متعدد بار کوششیں کیں، اس سال بھی کئی مرتبہ دشمن نے بڑی تعداد میں ان علاقوں پر چڑھائی کی کوشش کی لیکن ہر مرتبہ ناکامی ان کا مقدر بنی، آخری حربہ جسے اب دشمن بروئے کار لارہا ہے وہ میڈیا کے ذریعے جھوٹا پروپیگنڈہ ہے، تاکہ جنگی میدان میں اپنی شکست کا ازالہ کرسکے لیکن الحمد للہ دشمن کو اس میدان میں بھی کوئی خاطرخواہ کامیابی نہیں ملی۔

سوال: آپ نے دشمن کی جھوٹی خبروں کا ذکر کیا واقعی دشمن مجاہدین کے خلاف جھوٹی خبریں اور افواہیں میڈیا کے ذریعے پھیلاتا رہتا ہے مثلا مجاہدین کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ مجاہدین نہیں غیر ملکی جرائم پیشہ افراد کا ایک گروہ ہے کبھی کہتے ہیں کہ عوام کے دلوں میں مجاہدین کے لئے کوئی جگہ نہیں بلکہ مجاہدین نے اسلحے کے زور پر انھیں یرغمال بنا رکھا ہے اس قسم کی مجرمانہ صحافت کے بارے آپ کیا کہیں گے؟

جواب: جھوٹے بیانات، جھوٹی افواہیں اور جھوٹا پروپیگنڈہ جیسا کہ میں نے پہلے بتایا دشمن کا آخری حربہ ہے جو ان کے خیال میں مجاہدین کی ساکھ کو نقصان پہنچائے گا لیکن ان کا یہ خیال اس لئے بے جا ہے کیونکہ مذکورہ علاقوں کا ہر شخص ہر مجاہد کو اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ مجاہد کون ہے اس کا تعلق کہاں سے ہے اور انکے جہاد کا مقصد کیا ہے۔

اور میں واضح کردینا چاہتا ہوں کہ بدخشان کے سارے مجاہدین کا تعلق بدخشان صوبے سے ہی ہے غیر ملکی تو درکنار یہاں افغانستان کے دوسرے صوبوں کے مجاہدین بھی نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں جہاد میں مصروف ہیں اور یہ سارے مجاہدین افغانستان پر صلیبی جارحیت پسندوں کو منہ توڑ جواب دینے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اسلامی ملک کا دفاع اور اسلامی سرزمین سے کفار کے ناپاک وجود کا خاتمہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے، ہم صرف یہی فریضہ ادا کررہے ہیں ہماری یہ جدوجہد صرف اور صرف اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے ہے ہمارے کوئی دنیاوی مقاصد نہیں، ہم مطمئن ہیں کہ ہمارے مجاہد دوست عوام اب جہاد کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور دشمن کے پرفریب جال میں نہیں پھنسیں گے۔ انشاء اللہ۔

سوال: صوبہ بدخشان میں عوام اور مجاہدین کے تعلقات کیسے ہیں؟ کیا مجاہدین کو عوام کی حمایت حاصل ہے؟

جواب: عوام اور مجاہدین کے درمیان تعلق بہت مخلصانہ ہے کیونکہ تمام مجاہدین کا تعلق انہی علاقوں سے ہے اور ان مجاہدین میں ہر شخص کا کوئی نہ کوئی رشتہ دار {بیٹا، بھائی، چچا، وغیرہ} ضرور ہوتا ہے ان خونی رشتوں کے علاوہ مجاہدین اور عوام کے درمیان رابطہ اور بھائی چارے کا مضبوط تعلق صرف اسلامی اخوت ہے کیونکہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں اور کفر کے خلاف سب متحد ہیں۔ مختصر یہ کہ مجاہدین کو عوام کی بھرپور اور مکمل حمایت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ بدخشان بڑے عرصے تک مجاہدین کے قبضے میں رہا ہے اور دشمن کو تمام تر کوششوں کے باوجود ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

سوال: کچھ عرصہ قبل دشمن نے آپ اور آپ کے جہادی ساتھیوں کی شہادت کی خبر دی، آپ کے خیال میں اس قسم کی خبروں میں دشمن کا

> تمام قارئین اور اپنے مجاہد دوست عوام کیلئے میرا پیغام یہ ہے کہ اسلام کے دشمنوں کی چالوں اور سازشوں کی طرف ہر وقت متوجہ رہیں اب دشمن میڈیا کے ذریعے مجاہدین کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے تاکہ عوام الناس کو مجاہدین سے بدظن کیا جائے، عوام کو یاد رکھنا ہوگا کہ ہمارے ملک پر کفری طاقتوں نے جارحیت کی ہے اور ان کے خلاف جہاد فرض عین ہے، جب تک یہ کفر کے لشکر یہاں موجود رہیں گے ہماری جدوجہد جاری رہے گی،

اصل ہدف کیا تھا؟

جواب: جی بالکل مجھے بھی اپنے اور اپنے چند ساتھیوں کی شہادت کی خبر میڈیا سے ملی، کہ دشمن نے میرے اور میرے چند قریبی ساتھیوں کی شہادت کی جھوٹی خبر میڈیا کو فراہم کی۔ جسے دشمن نے بڑی کامیابی قرار دیا لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ دشمن کے خبروں میں کس قدر صداقت ہے، میں آپ کے سامنے موجود ہوں اور میرے دوسرے ساتھی بھی الحمد للہ خیریت سے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس سال بدخشان میں مجاہدین نے دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں انکے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ مجاہدین اس قدر قوت کے ساتھ ابھریں گے اور انھیں بھاری نقصانات سے دوچار کریں گے، اس سال دشمن کو پہنچنے والے نقصانات بہت زیادہ تھے اور الحمد للہ مجاہدین کے نقصانات نہ ہونے کے برابر تھے، دشمن اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کیلئے میڈیا پر ہماری شہادت کی جھوٹی افواہیں پھیلاتا رہتا ہے لیکن اس عمل سے دشمن نے خود کو مزید رسوا کرلیا ہے اور شاید آج کے بعد لوگ ان کی سچی باتوں پر بھی کان نہ دھریں۔

سوال: فوجی میدان میں کامیابی کے ساتھ جہادی میڈیا کے کردار کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور امارت اسلامی کے شعبہ نشرو اشاعت کے ذمہ داروں کو آپ کیا پیغام دیں گے؟

جواب: جہاد کے اس مقدس مہم میں جہادی میڈیا کا کردار نہایت ہی اہم ہے کیونکہ دشمن پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے لوگوں کے اذہان کو تسخیر کرکے جنگ کے نتائج پر براہ راست اثر انداز ہورہا ہے کیونکہ یہ لوگ ہر وقت مجاہدین کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں اور وہ لوگ جنھوں نے مجاہدین کو قریب سے دیکھا ہو وہ شاید ان افواہوں کو خاطر میں نہ لائیں لیکن وہ لوگ جنھوں نے مجاہدین کو قریب سے نہیں دیکھا اور حقائق سے لاعلم ہوتے ہیں ان کا یہ جھوٹا پروپیگنڈہ شاید ان پر منفی اثر ڈالے اور انکے دلوں میں جہاد اور مجاہدین کی نفرت پیدا ہوجائے۔

اس قسم کے مسائل کی روک تھام کیلئے امارت اسلامیہ کے میڈیا ونگ اور ثقافتی کمیشن اپنے کام میں مزید بہتری لائیں عوام کی ذہن سازی کریں، جہاد کی دعوت عام کریں اور انھیں کفار کے فریبوں اور سازشوں سے باخبر رکھیں، تاکہ ہمارے مسلمان بھائی کفار کی صفوں میں جانے کی بجائے جہاد کے مقدس فریضے کی ادائیگی کیلئے تیار ہوجائیں۔

میں چونکہ اکثر اوقات جہاد کے محاذوں پر ہوتا ہوں اس لئے اخبارات و رسائل کے مطالعے کا وقت بہت کم ملتا ہے لیکن جب بھی وقت ملتا ہے امارت اسلامی کے ماہنامے اور انٹرنیٹ پر پانچ زبانوں سے مزین ویب سائٹ دیکھتا ہوں تو دل کو سکون ملتا ہے اور امارت اسلامی کی میڈیا کے ذمہ داروں کیلئے اللہ تعالی کے دربار سے مزید توفیق کا طلبگار ہوں۔

سوال: محترم قاری صاحب! مجاہدین کی کامیابی کا راز کس بات میں ہے؟

جواب: میری نظر میں مجاہدین اور ہر مسلمان کی کامیابی کا راز صرف اور صرف اللہ تعالی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولوالامر کی اطاعت میں ہے اگر مجاہدین تقویٰ اختیار کریں تو بلاشبہ کفار کے مقابلے میں کامیابی ان کے قدم چھوے گی۔

سوال: آخر میں قارئین کے نام کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

جواب: تمام قارئین اور اپنے مجاہد دوست عوام کیلئے میرا پیغام یہ ہے کہ اسلام کے دشمنوں کی چالوں اور سازشوں کی طرف ہر وقت متوجہ رہیں اب دشمن میڈیا کے ذریعے مجاہدین کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے تاکہ عوام الناس کو مجاہدین سے بدظن کیا جائے، عوام کو یاد رکھنا ہوگا کہ ہمارے ملک پر کفری طاقتوں نے جارحیت کی ہے اور ان کے خلاف جہاد فرض عین ہے، جب تک یہ کفر کے لشکر یہاں موجود رہیں گے ہماری جدوجہد جاری رہے گی، اللہ تعالی ہمیں اس فریضے کو بہ حسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔[آمین]

آقا کے ہاتھوں غلاموں کی درگت

خبیر عزم

استعماری قوتیں بھی عجیب کھیل کھیلتی ہیں جب کسی غلام کو لوگوں پر مسلط کرنے کا ارادہ کرتی ہیں تو اپنے اہم ہتھیار یعنی میڈیا کے ذریعے اسے بھاری القابات سے نوازا جاتا ہے، اور راتوں رات اسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچایا جاتا ہے، اور [کام لینے کے بعد] بہت ہی مختصر عرصے میں اسے ان بلندیوں سے اوندھے منہ اس طرح گرایا جاتا ہے کہ جسم کا کوئی حصہ سلامت نہیں بچتا، اسے برے ناموں سے پکارا جاتا ہے اور اس کی اس حد تک تذلیل کی جاتی ہے کہ انکے آقا امریکی فوجی اور امریکا کا صدر ان سے ملاقات کیلئے بھی تیار نہیں ہوتا۔

کرزئی کو دیکھئے جب دس سال پہلے امریکی اور مغربی میڈیا میں ان کے دیگر نام نہاد خوبیوں کے ساتھ ان کے لباس اور قراقولی ٹوپی پر بھی تبصرے کئے جاتے تھے، ان کی تصاویر نیویارک ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ اور دوسرے مغربی اخبارات وجرائد کے فرنٹ پیج کی زینت بنتی تھیں، اور امریکا کی ہر بین الاقوامی یونیورسٹی اسے مختلف ڈگریز، اسناد اور میڈلز سے نوازتے رہے، اور آج حالت یہ ہے کہ امریکا کی ۱۳ سالہ شکست اور کابل کی کٹھ پتلی حکومت کی ناکامی کا سارا ملبہ کرزئی پر گرایا گیا۔

اوباما جب بگرام کے دورے پر آتا ہے تو کرزئی سے ملاقات کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتا۔ صرف ایک کال کر کے گویا یہ بتانا چاہتا ہے کہ دیکھو میں تمہاری سرزمین پر اتر آیا ہوں اور تجھے خبر ہی نہیں۔ اب میں جارہا ہوں میرے پاس تجھ سے ملاقات کرنے کی فرصت نہیں۔

اشرف غنی کی مثال ہی لے لیجیے، جس کیلئے امریکی اور مغربی میڈیا نے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کیں۔ دن رات ان کی قابلیت کے گیت گائے، یہاں تک کہ دنیا کے دوسرے "مفکر" کا لقب بھی انکے ماتھے کا جھومر بنادیا گیا۔ میں جب بھی اس لقب [مفکر] اور اشرف غنی کا موازنہ کرتا ہوں تو سوچ میں پڑ جاتا ہوں کہ آخر وہ کونسی فکر اور کونسا کارنامہ ہے جس کی بنیاد پر موصوف مفکر ثانی کا لقب پاتے ہیں، یقین مانیں میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچتا، لیکن افغان معاشرے میں اس کے کردار اور سیاسی کیریئر کے بارے صرف اتنا کہوں گا کہ "ہمیں تو سن کر بھی اک عار سی معلوم ہوتی ہے" کیونکہ کہاں افغان باغیرت معاشرہ اور کہاں مغرب زدہ اشرف غنی۔ اس لئے کہ گزشتہ ۳۵ سالوں سے افغانستان میں جاری مختلف کشیدگیوں میں ۲ ملین سے زیادہ جو افغان تہہ تیغ ہوئے، اشرف غنی مغربی عینک سے اس صورتحال کا صرف

تماشا دیکھتا رہا، نہ کسی یتیم کے سر پر دست شفقت رکھا، نہ کسی شہید کے گھر والوں کی خیریت دریافت کی، نہ کوئی فلاحی ادارہ قائم کیا اور نہ ہی بین الاقوامی سطح پر افغانستان کے مظلوم عوام کے حق میں آواز اٹھائی۔

اس کے باوجود جب اشرف غنی کو مفکر کا لقب دیا جاتا ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اشرف غنی کے پیچھے کونسی وحشی اور پر فریب قوتیں پڑ گئیں ہیں، یہ صرف اس لئے کہ مغرب افغان عوام کا توجہ اب اشرف غنی کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے اور انھیں یہ تاثر دینے کی کوشش کرتا ہے کہ گویا اشرف غنی مفکر کا لقب پانے کی وجہ سے واقعی ایک بڑے مفکر بن گئے ہیں اور لوگ اس سے ایک بہتر مستقبل کی امید وابستہ رکھیں گے۔

لیکن اصل بات تو اظہر من الشمس ہے کہ امریکا کا اشرف غنی سے سب سے بڑا مطالبہ یہی ہے کہ وہ اس تیرہ سالہ طویل جنگ کے بعد افغانستان میں ان کے ٹھکانوں کو محفوظ بنائیں اور امریکی فوجیوں کی مستقل قیام کی راہ ہموار کریں انھیں افغانستان کے غیور عوام میں موجود جذبہ جہاد کو ایک نئے انداز سے کچلنے کا کام سونپ دیا گیا ہے اور اس کام کیلئے امریکا کی نظر میں اشرف غنی سے بہتر کوئی دوسرا شخص موجود نہیں ہے۔

ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ اشرف غنی کا حریف ڈاکٹر عبداللہ، کیسا آدمی ہے، اچھا ہے یا برا ہے کیونکہ اس کی حقیقت بھی سب کو معلوم ہے کہ وہ افغان عوام کا سب سے بڑا قاتل، قومی مفادات پر تجارت کرنے والا اور قومی وسائل کے لوٹ مار میں ملوث گروہ کا سرغنہ ہے لیکن حالات و واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ محض ایک نمائش ہے امریکی شروع سے ہی اشرف غنی کو افغانستان کے صدر کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے اسی لئے ہم نے اشرف غنی کے بارے میں اپنے عوام کو بتانا ضروری سمجھا کہ وہ اس بیرونی اور مغربی ایجنٹ سے کبھی بھی اپنی امیدیں وابستہ نہ رکھیں وہ عوام کیلئے مفکر اور غنی نہیں بلکہ امریکی مفادات کی چوکیداری کے بارے میں فکر مند ہیں۔

امریکا نے منصوبے کے مطابق افغان حکومت کے انتخاب کیلئے ۳۰ ملین میں سے صرف ۷ ملین افراد کو حق رائے دہی کا اہل قرار دیا، یہی وجہ تھی کہ دوسرے مرحلے کے انتخابات میں اشرف غنی نے اپنے مخالف امیدوار کو ۲ ملین ووٹوں کے بھاری مارجن سے شکست دیدی، یقیناً ان افغانوں نے یہی سوچ کر اشرف غنی پر اعتماد کا اظہار کیا ہو گا کہ وہ افغانستان کی ترقی اور خوشحالی کیلئے بہترین اقدامات کا آغاز کریں گے اور افغان عوام کو گذشتہ حکومت کی نسبت سکھ اور آرام کی زندگی گذارنے کا ایک موقع ملے گا اور اس برے دور کا خاتمہ ہو گا، کیونکہ الیکشن مہم کے دوران اشرف غنی کا اہم نعرہ یہ تھا کہ انکی حکومت میں ان لوگوں کیلئے کوئی جگہ نہیں ہوگی جو تیرہ سال سے ملکی وسائل کی لوٹ مار، اور اسمگلنگ میں ملوث ہیں اور جنھوں نے پورے تیرہ سال ملکی اداروں کو یرغمال بنائے رکھا، ان لوگوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی، لیکن جب یہ بدنام زمانہ افراد الیکشن کے بعد نتائج تسلیم کرنے سے انکار کر کے آگ بگولہ ہوئے اور بات جان کیری اور اوباما تک جا پہنچی تو اوباما نے بہت جلد اپنے وزیر خارجہ جان کیری کو معاملہ رفع دفع کرنے کیلئے افغانستان بھیجا، اس وقت مفکر کی فکر، جرات اور تدبر کا اندازہ یہ آسانی لگایا جاسکتا تھا، کہ کس طرح اپنے آقا کے فرامین اور مفادات کو عوامی مفادات پر ترجیح دی، یہ منظر ساری دنیا نے ٹیلی ویژن اسکرینز پر دیکھا کہ جان کیری کے دباؤ کی وجہ سے دونوں امیدوار صرف جان کیری کے الفاظ کا ترجمہ کرتے دکھائی دیئے اور دونوں امیدوار یک دم گھل مل گئے اور اسے ملی یکجہتی کا نام دیا۔

میں اپنے تحریر کا اختتام فیس بک پر ایک افغان بھائی کے ان تاثرات سے کرنا چاہتا ہوں جس نے اس انتخابی ڈرامے کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے انہوں نے لکھا کہ "میں نے پہلے ہی اپنے دوستوں سے کہا تھا کہ اس مقبوضہ ملک میں جہاں اقتدار پر امریکی اور نیٹو فورسز کا قبضہ ہو وہاں انتخابات کوئی معنی نہیں رکھتے لیکن میرے یہ دوست اپنی بات پر ڈٹے رہے کہ نہیں یہ انتخابات ملک کی تقدیر بدل دیں گے، ملک کو بیرونی قبضے سے نجات دلانے میں معاون ثابت ہوں گے اور یہاں میری بات سننے کیلئے کوئی تیار نہیں تھا لیکن آنے والے وقت میں ان مغربی چہروں سے نقاب اٹھنے والے ہیں اور ساری دنیا دیکھے گی کہ مغربی آقا اپنے غلاموں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کرتے ہیں۔

★★★

داعش کی پیشرفت اور عراق کا مستقبل

تحریر: شہید زوی

20 مارچ 2003ء کی شب عراقیوں کے لئے خونریز ثابت ہوئی، جب امریکی طیاروں نے آبادی اور روشنیوں کے شہر بغداد پر بموں کی بارش کر دی، ساری دنیا تماشہ دیکھ رہی تھی جب خون اور آگ کے اس کھیل میں بغداد کی فضا دھواں سے بھر گئی اور زمین پر قتل و غارت اور تباہی سے قیامت صغریٰ برپا ہوا تھا، صبح تک یہ شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا تھا جس میں ہر سو صف ماتم بچھا ہوا تھا۔

یہ امریکہ کی جانب سے عراق میں بدامنی لانے کے ابتدائی ایام تھے، بدقسمتی سے تباہی اور بدامنی کا سلسلہ ہنوز بھی پورے آب و تاب سے جاری ہے اور گزشتہ گیارہ برس کے دوران تقریباً ڈیڑھ ملین لوگ لقمہ اجل بن چکے ہیں۔

قابل افسوس پہلو یہ ہے کہ قتل عام کرنا، نقل مکانی پر مجبور کرنا، قید کرنا، عزت و ناموس سے کھیلنا اور المناک مظالم ڈھانا قابض افواج کی جانب سے نہیں بلکہ بڑی حد تک اقتدار پر مسلط کردہ کٹھ پتلی حکمرانوں کے ہاتھوں ہو رہا تھا، اسی وجہ سے ان کے خلاف بتدریج عوامی نفرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا لیکن قابض افواج کی موجودگی میں عراق کے جابر حکمرانوں کا ادارہ قدرے مضبوط تھا اس لئے اس کے خلاف عوامی تحریک شروع ہوئی اور نہ ہی اس کی کامیابی کی کوئی امید تھی۔

2011ء میں عراق سے امریکیوں کی انخلاء کے بعد عراق کی کٹھ پتلی انتظامیہ کی روش میں تبدیلی تو نہیں آئی البتہ اپنے ظلم کے دائرہ کار کو مزید بڑھایا اور یہاں تک آگے نکلے کہ مسلمانوں پر مالکی کے شیعہ وحشی ملیشیا اور فوجیوں کے انسانیت سوز مظالم اور بربریت کی سینکڑوں ویڈیوز بھی منظر عام پر آگئیں جن کے خلاف مظلوم و محکوم مسلمانوں نے کٹھ پتلی حکومت کے خلاف نفرت کا برملا اظہار کرنے، وحشی فوجیوں سے انتقام لینے اور ظالم حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے میدان عمل میں نکلنے کا فیصلہ کیا جس کے باعث پورے عراق بالخصوص بغداد میں ہر گزرتے دن کے ساتھ بدامنی کے واقعات میں بھی نمایاں اضافہ ہوتا چلا گیا اور 2009ء میں امریکی جیل سے رہائی پانے والے ابوبکر البغدادی جنہوں نے 2010ء میں مجاہدین کو پھر سے منظم کرنے کی تحریک شروع کی تھی، نے جلد ہی پیشرفت کی، یہاں تک کہ ان شہروں کے سنی قبائلی عوام نے بھی ان کی حمایت کی جنہوں نے 2006ء میں عراق میں القاعدہ کے سربراہ شیخ ابومصعب الزرقاوی شہید کی شہادت کے بعد القاعدہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا تھا، ان تمام شہروں پر بغدادی نے اپنا کنٹرول سنبھال لیا اب مجاہدین کی تعداد 20 ہزار سے تجاوز کر چکی ہے، اس وقت وہ خلافت کے قیام کا بھی اعلان کر چکے ہیں، یوں لگتا ہے کہ عراق تباہ کن خانہ جنگی کی دلدل میں پھنس گیا لیکن یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ امریکہ کی کامیابی کی تمام امیدوں پر انہوں نے پانی پھیر دیا۔

اس میں شک نہیں کہ عراق کی موجودہ حالت امریکہ کے لئے باعث نقصان ہے اور اس کے تمام اخراجات ضائع ہونے لگے ہیں، امریکہ نے عراق کے تیل، گیس اور دیگر معدنی ذخائر پر قبضہ کرنے کے لئے 8 برس تک طویل جنگ مسلط کر کے اربوں ڈالر کے اخراجات صرف کئے اور ہزاروں فوجیوں کی قربانی دی تا کہ جنگ جاری رہے لیکن جب اس مقصد میں اسے مکمل طور پر ناکامی ہوئی اور عراق سے راہ فرار اختیار کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ اس کے لئے نہیں رہا تو اس نے مالکی کی سربراہی میں کٹھ پتلی حکومت سے امیدیں وابستہ کر دیں اور اس امید کے ساتھ عراقی فوج کے نام پر شیعہ ملیشیا پر 25 ارب ڈالر کے اخراجات کئے کہ وہ اس کے اہداف اور مفادات کی حفاظت کریں گے اور عراق کو مجاہدین کے ہتھے چڑھنے سے محفوظ رکھا جائے گا، عراق کی انتظامیہ اور فوج نے امریکی مفادات کا بھرپور طریقے سے دفاع

اور حفاظت کرنے کی کوشش کی، مجاہد تو دور کی بات ہے، برائے نام سنی کو ملک کے اہم اداروں اور فوج میں کلیدی عہدوں پر نہیں چھوڑا، مسلمانوں پر حد سے زیادہ مظالم ڈھائے گئے، ابھی جو تحریر زیب قرطاس کر رہا ہوں میڈیا نے ایک رپورٹ شائع کی کہ انسانی حقوق کی عالمی تنظیم نے ایک رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ عراقی شیعہ ملیشیا کے اہلکاروں نے صرف جون میں 255 سنی قیدیوں کو ماورائے عدالت پھانسی پہ چڑھایا لیکن باوجودیکہ شیعہ ملیشیا، فوج اور بغداد کی انتظامیہ کی جانب سے امریکی مفادات کا تحفظ کرنے اور مسلمانوں کے خلاف ظلم و بربریت کی داستان رقم کرنے کے اقدامات نے کوئی نتیجہ نہیں دیا، بلکہ اس کے برعکس مسلمانوں نے ان کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرنے کے اقدام کا آغاز کیا جس کے سامنے 5 لاکھ فوج جس پر امریکہ نے 25 ارب ڈالر کے اخراجات کا بوجھ برداشت کیا تھا، ریت کی دیوار ثابت ہوئی اس صورتحال نے امریکہ کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا، امریکی فوج کے اعلی حکام نے بھی اس امر کا اعتراف کیا کہ عراق میں ہماری تمام کامیابیوں کو زبردست دھچکا لگا۔

داعش [شام اور عراق کی اسلامی دولت] جس کی قیادت ابو بکر البغدادی کر رہے ہیں، نے عراق کے شمالی حصہ میں کچھ اہم شہروں پر اپنا کنٹرول سنبھال لیا اور اب نینوا، یعقوبہ، صلاح الدین اور الانبار کے صوبے ان کے قبضے میں آگئے ہیں، دفاعی لحاظ سے اہم شہر تل عفر کا ائیرپورٹ اور بیجی کے تیل کا اہم مرکز بھی داعش کے کنٹرول میں ہیں، نیز شام کے بارڈر پر الولید فوجی اڈہ اور اردن کے بارڈر پر تربیل کے فوجی اڈوں پر بھی داعش نے قبضہ کر لیا ہے جو مالکی حکومت کی بڑی شکست اور داعش کی اہم کامیابی اور پیشرفت قرار دیا جا رہا ہے۔

بغداد پر شمالی جانب سے داعش کے حملے ہو رہے ہیں اور رپورٹوں کے مطابق اب جنوب کی جانب سے بھی بڑے پیمانے پر حملوں کی تیاریاں شروع کی گئی ہیں، بغداد میں بی بی سی کے نامہ نگار کو انٹرویو میں سیاستدانوں اور غیر ملکی سفیروں نے بتایا کہ داعش کے جنگجوؤں کے مقابلے میں سرکاری فوج کی شکست نے بغداد کے باسیوں کو مایوسی میں مبتلا کر دیا ہے، عسکری ماہرین کا کہنا ہے کہ فوج کے برعکس داعش کے جنگجوؤں تربیت یافتہ بھی ہیں اور جدید ہتھیاروں سے لیس بھی ہیں۔

بلاشبہ یہ بات درست ہے کہ داعش کے جنگجوؤں تربیت یافتہ ہیں اور عراق کی فوج سے عسکری میدان میں زیادہ تجربہ رکھتے ہیں صرف داعش کا نام نیا ہے اس کے بڑے رہنما عراق میں قابض افواج کے خلاف لڑنے والے پرانے تجربہ کار مجاہدین ہیں۔

اس تحریک کی داغ بیل ابو بکر البغدادی نے ڈالی، ان کے بارے میں زیادہ تفصیلات اب تک منظر عام پر نہیں آئیں، صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ بغداد کے شمالی علاقہ میں 1971ء میں ایک عام گھرانہ میں پیدا ہوئے، اعلی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بغداد یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور یہیں پر مطالعہ اسلام میں ماسٹر کیا، 2003ء میں عراق پر استعماری قوتوں کی یلغار کے بعد جہادی تحریک سے وابستہ ہوئے لیکن کچھ عرصہ بعد امریکی فوجیوں نے انہیں گرفتار کیا، جب 2006ء میں عراق میں القاعدہ کے سربراہ شیخ ابو مصعب الزرقاوی ایک امریکی فضائی حملہ میں شہید ہوئے اور اس کے بعد صوبہ الانبار میں بعض سنی قبائل القاعدہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے جس کے باعث القاعدہ کی پوزیشن کمزور ہوئی، جب 2009ء میں بغدادی امریکی جیل سے رہا ہوئے تو انہوں نے القاعدہ کے پرانے جنگجوؤں کو دوبارہ منظم کرنے اور باقاعدہ تحریک شروع کرنے کی جدوجہد کی جس میں انہیں کسی حد تک کامیابی ملی، جب 2010ء میں شام میں بشار الاسد کی حکومت کے خلاف مسلمانوں نے مسلح جنگ کا آغاز کیا تو بغدادی نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے حامیوں کو شام پہنچنے کی ہدایت کی

> البغدادی نے شام سے اپنے جنگجوؤں کو نکالنے کے بجائے وہاں اپنی تنظیم کو اتنا منظم کیا کہ مارچ 2013ء میں "رقہ" شہر کو اسدی فوج سے چھڑا کر اس پر اپنا کنٹرول سنبھال لیا اور فوری طور پر وہاں شریعت نافذ کرنے کا اعلان کیا یہ پہلی بار اس طرح ہوا کہ کسی صوبے کے مرکزی شہر پر مجاہدین نے قبضہ کیا ہو، اس لئے شام میں یہ داعش کی بڑی پیشرفت قرار دیکر پوری دنیا میں اسے شہرت ملی۔

اور اپنی تنظیم کا نام [الدولۃ الاسلامیہ فی العراق والشام] رکھ دیا جس کا مخفف داعش ہے اور انگلش میں اس کا ترجمہ [اسلامک اسٹیٹ ان عراق اینڈ سوریا] ہے اس لئے اس کا مخفف آئی ایس آئی ایس ہے۔

بغدادی نے 2010ء میں شام میں بشارالاسد حکومت کے خلاف برسرپیکار النصر نامی جہادی تنظیم کو اتحاد کا پیغام بھیجا لیکن اس تنظیم کے سربراہ ابو محمد الگولانی نے بغدادی کی کمان میں کام کرنے سے انکار کیا جس کے باعث دونوں دھڑوں کے درمیان اختلافات شدت اختیار کر گئے اور مختلف موقعوں پر یہ اختلافات باہمی لڑائی میں تبدیل ہوئے جس کے نتیجہ میں فریقین کو بھاری جانی نقصان پہنچا، القاعدہ کے سربراہ ایمن الظواہری نے البغدادی سے پرزور مطالبہ کیا کہ وہ اپنی فعالیت کو عراق تک محدود کریں اور شام کو النصر کے حوالہ کریں جس کی ہمدردی القاعدہ کے ساتھ ہے لیکن البغدادی نے ظواہری کا یہ مطالبہ مسترد کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی خلافت کا قیام شیخ اسامہ بن لادن کی بڑی تمنا تھی، ان کی تمنا کو پورا کرنے کے لئے وہ عملی جہاد میں مصروف ہیں۔

مشرق وسطی کے امور کے ایک کمزور طالب علم کی حیثیت سے مجھے معلوم ہوا کہ بغدادی ایک زیرک اور مضبوط اعصاب کے مالک شخص ہیں جنہوں نے خود کو سربراہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے القاعدہ کے موجودہ سربراہ کا حکم مسترد کر دیا لیکن خود کو شہید شیخ اسامہ کے قریب قرار دیا اور ان کے ادھورے ارمانوں کو پورا کرنے کا پیغام دیا جس کے باعث وہ عرب دنیا کے نوجوان نسل اور مجاہدین میں ہیرو کے طور پر ابھرے اور الظواہری پردے کے پیچھے چلے گئے۔

البغدادی نے افغانستان کے طالبان اور امارت اسلامیہ کے سربراہ ملا محمد عمر مجاہد کا اچھے القاب سے تذکرہ کیا اور ان کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کیا لیکن وہ صرف شیخ اسامہ کا تذکرہ کرتے ہیں اور صرف ان کا احترام کرتے ہیں اور انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اس لئے انہوں نے الظواہری کا حکم مسترد کیا اور داعش کو شام میں متحرک رکھا جس کے باعث الظواہری نے بھی البغدادی سے قطع تعلق کا اعلان کیا اور یہ کہا کہ بغدادی زیادہ تشدد پسند ہیں اور حد سے گزر چکے ہیں۔

البغدادی نے شام سے اپنے جنگجوؤں کو نکالنے کے بجائے وہاں اپنی تنظیم کو اتنا منظم کیا کہ مارچ 2013ء میں "رقہ" شہر کو اسدی فوج سے چھڑا کر اس پر اپنا کنٹرول سنبھال لیا اور فوری طور پر وہاں شریعت نافذ کرنے کا اعلان کیا یہ پہلی بار اس طرح ہوا کہ کسی صوبے کے مرکزی شہر پر مجاہدین نے قبضہ کیا ہو، اس لئے شام میں یہ داعش کی بڑی پیشرفت قرار دیکر پوری دنیا میں اسے شہرت ملی۔

جہاد کے مخالف اور حامی تمام گروہ یہ مان رہے ہیں کہ البغدادی عسکری محاذ کے ہیرو اور منصوبہ ساز شخصیت ہیں، وہ دشمن کو فریب دینے اور اس کو دھوکہ میں رکھنے کی بڑی استعداد رکھتے ہیں، بشارالاسد کی فوج میں وہ بلا کے نام سے شہرت رکھتے ہیں اور سب یہ مانتے ہیں کہ بغدادی کے مضبوط اعصاب ان کے جنگی ہتھیار سے زیادہ خطرناک ہیں، انہوں نے رواں برس جنوری میں مالکی حکومت اور سنی عوام کے درمیان بڑھتے ہوئے اختلافات سے فائدہ اٹھایا اور صوبہ الانبار کے اہم شہر فلوجہ پر قبضہ حاصل کر لیا اس کے بعد اس شہر کے رمادی اور شام اور عراق کے بارڈر سے متصل علاقوں پر بھی قبضہ کیا اور جب حال ہی میں انہوں نے موصل کو فتح کیا تو دنیا کو ہلا کر رکھ

بغدادی کے دشمن بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ان میں آگے بڑھنے اور پیشرفت کرنے کا حوصلہ اور صلاحیت موجود ہے، کینت کنگ نامی امریکی فوجی افسر کا کہنا ہے کہ جب 2009ء میں بغدادی جیل سے رہا ہو کر جا رہے تھے تو انہوں نے نیویارک سے تعلق رکھنے والے ایک فوجی سے کہا کہ پھر نیویارک میں ملیں گے، جب بغدادی لیڈر کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے اور دنیا بھر میں انہیں شہرت ملی تو امریکی فوجی حیران ہو گئے کہ وہ جملہ ایک بڑا اشارہ اور بغدادی کے خوداعتمادی کی بڑی نشانی تھی لیکن اس وقت امریکی فوجی اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔

دیا، امریکہ نے کہا کہ عراق کے دوسرے بڑے اہم شہر پر داعش کا قبضہ پوری دنیا کے لئے چیلنج ہے۔

عراق کے حکام نے کہا ہے کہ ان کے مخالفین بغداد پر قبضہ نہیں کر سکتے لیکن عراق کے عوام بہت پریشان اور خوف میں مبتلا ہیں اور اشیاء خورد و نوش کو ذخیرہ کر رہے ہیں کیونکہ شمال اور جنوب کی جانب سے داعش پیشرفت کی حالت میں ہے۔

ان سے متعلق یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ وہ اہم معاملات پر اپنے قریبی رہنماؤں سے مشورہ کرتے ہیں لیکن عمل صرف اس پر کرتے ہیں جو ان کے نزدیک ٹھیک ہو، وہ مزاج کے حوالے سے بہت سخت ہیں، وہ مخالفین کے بارے میں نرم گوشہ رکھنے کے بہت خلاف ہیں، وہ صرف مارنے اور قتل کرنے حق میں ہیں اور صرف مارنے کا فیصلہ درست قرار دیتے ہیں۔ شام، عراق اور بیرونی دنیا میں ناراض مجاہدین اور عام مسلمانوں کی ناراضگی کا سبب ان کے مزاج کی سختی ہے، بغدادی کا ایجنڈا یہ ہے کہ دشمن کا آپ کے بارے میں یہ خیال نہ ہو کہ آپ کے دل میں ان کے لئے رحم ہے، جب تک آپ کا دشمن اتنا خوفزدہ نہ ہو کہ آپ کا نام سن کر ان پر لرزہ طاری ہو جائے اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی۔

داعش کا دشمن کے دلوں پر اتنا خوف طاری ہوا ہے کہ انہوں نے شمالی علاقوں میں داعش کی آمد سے قبل چیک پوسٹوں اور فوجی اڈوں کو خالی چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی ہے۔

بغدادی ہمیشہ مستقبل کے بارے میں سوچتے ہیں اور دشمن پر حملہ کرنے کے لئے منصوبہ بنا کر مناسب وقت کا انتظار کرتے ہیں جس کا کسی کو پتہ نہیں ہوتا، ٹائم جریدہ کو گزشتہ سال حزب اللہ کے ایک کمانڈر نے انٹرویو دیتے ہوئے بتایا تھا کہ بغدادی خطرناک دشمن ہے، وہ اپنے رازوں کے بارے میں کسی کو نہیں بتاتے اور یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔

داعش کی خلافت اور بغدادی کے وجود اور قیادت کے مستقبل کے بارے میں اس وقت کچھ کہنا قبل از وقت ہے لیکن اب داعش اتنی مضبوط تنظیم بن چکی ہے جس نے القاعدہ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

بغدادی کے دشمن بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ان میں آگے بڑھنے اور پیشرفت کرنے کا حوصلہ اور صلاحیت موجود ہے، کینتھ کنگ نامی امریکی فوجی افسر کا کہنا ہے کہ جب 2009ء میں بغدادی جیل سے رہا ہو کر جا رہے تھے تو انہوں نے نیویارک سے تعلق رکھنے والے ایک فوجی سے کہا کہ پھر نیویارک میں ملیں گے، جب بغدادی لیڈر کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے اور دنیا بھر میں انہیں شہرت ملی تو امریکی فوجی حیران ہو گئے کہ وہ جملہ ایک بڑا اشارہ اور بغدادی کے خود اعتمادی کی بڑی نشانی تھی لیکن اس وقت امریکی فوجی اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔

عراق میں اس وقت شیعہ اور سنی کی خانہ جنگی شروع ہو چکی ہے جو عراق کے عوام کے لئے بڑے خطرے کی گھنٹی ہے جس کا مستقبل بھی بہت خطرناک اور خون آلود معلوم ہو رہا ہے، اگر داعش کی قوت کمزور ہوئی اور مالکی کے شیعہ اہلکاروں نے اسے واپس پیچھے دھکیلنے پر مجبور کیا تو سنیوں پر شیعہ فوج کے ظلم کا ایک نیا باب کھل جائے گا اور اگر داعش کے مقابلہ میں بغداد کی حکومت کمزور اور بے بس ہوئی تو پھر داعش کی پیشرفت کی روک تھام کے نام پر ایران اور حزب اللہ مداخلت کریں گے جو پوری دنیا میں شیعہ اور سنی کے درمیان اس آگ پر تیل چھڑکنے کا سبب بنے گا اللہ نہ کرے جو قتل عام کا ذریعہ بنے گا اور کفری دنیا کی بڑی حسرت پوری ہو جائے گی، اس لئے ایران اور حزب اللہ کو چاہیے کہ وہ دیگر اسلامی ممالک کے ساتھ مل کر اس مسئلہ کی وجوہات معلوم کرنے کے لئے عملی اقدامات اٹھائیں اور عجلت میں فیصلہ کرنے اور غیر محتاط انداز سے قدم اٹھانے سے گریز کریں۔

مشکل ترین کام کیا ہے؟

نسیم خان محمدی

'ڈی این اے' کے اندر انسانی شخصیت کے بارے میں تقریباً تمام معلومات درج ہوتی ہیں۔ صرف ایک چیز ایسی ہے جس کے بارے میں ڈی این اے میں کوئی معلومات نہیں ہوتیں اور وہ ہے موت!

ڈی این اے کی طویل فہرست موت کے تصور سے خالی ہوتی ہے۔ ڈی این اے کی حد تک موت کا تصور انسانی شخصیت میں موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی دوسروں کو مرتا ہوا دیکھتا ہے۔ لوگوں کے کاندھے پر پڑے ہوئے جنازے بھی دیکھتا ہے۔ ان کو قبر میں اتارتے وقت وہاں ہجوم کے درمیان سے ایڑیاں اٹھا اٹھا کر مردے کو قبر میں اترتا ہوا بھی دیکھتا ہے، لیکن انہی لمحات میں وہ خود اپنے بارے میں نہیں سوچ پاتا کہ 'ایک دن میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہونے والا ہے۔' بلاشبہ موت کا پروانہ کسی شخص پر ڈی این اے کی پروگرامنگ کے تحت نہیں آتا... بلکہ وہ براہِ راست خدائی فیصلے کے تحت آتا ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کو مرنے کا اتنا پختہ یقین ہے۔ اور اس یقین کی دولت کا اتنا وافر حصہ ان کے پاس ہے کہ آدمی کے اندازوں کی حد ہی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ لیکن یہاں تھوڑا سا ایک طرف ہٹیں... تو کافر اور مسلمان کے درمیان موت کے بعد کی صورتِ حال کے بارے میں تصور علیحدہ ہو جاتا ہے۔ کافر کا گمان ہے کہ یہ چار دن کی زندگی ہی سب کچھ ہے۔ انسان کا دماغ جتنی لذتوں اور راحت و آرام کا سوچ سکتا ہے... اسے یہ سب یہاں ہی حاصل کر لینا چاہیے۔ موت سب کچھ فنا کر دے گی۔ کافر سوچتا ہے کہ 'ہم پہلے نہیں تھے۔ زندگی کے بعد موت ہے۔ اور موت کے بعد ہم پھر نہیں ہوں گے اور یوں کہانی ختم ہو جائے گی! لیکن مسلمان کا مرنے کے بعد کا تصور ذرا مختلف ہے۔ اس کو اس بات کا بھی یقین ہے کہ' ہمیں زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ ہمارا مقصدِ تخلیق عمل کی دنیا میں کامیابی حاصل کرنا طے کیا گیا ہے۔ کیوں کہ یہ دنیا محض ایک عارضی گزر گاہ ہے۔ اس گزر گاہ کے بعد ہمیں کچھ لمحات 'عارضی آرام گاہ'... قبر میں گزارنا ہوں گے۔ ہماری اصل قیام گاہ اس کے بعد آتی ہے، جسے 'آخرت' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دنیا کی سب لذتیں فانی ہیں۔ یہ سب یہاں ٹھاٹھ کی صورت پڑا رہ جائے گا۔ مسلمان کا اندازِ فکر یہ ہے کہ 'ہم پہلے نہیں تھے، لیکن ہمیں پیدا کرنے والا اللہ تب بھی موجود تھا۔ اس زندگی کے بعد موت ہے اور ہم نہیں رہیں گے، لیکن ہمیں تخلیق کرنے والا رب العالمین تب بھی موجود ہو گا۔ اور موت کے بعد ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ چناں چہ دنیا کی عملی زندگی کا حساب دینے کے بعد ہم بھی ہوں گے اور ہمیں پیدا کرنے والا خالق دو جہاں بھی ہو گا۔ اور یوں کہانی ختم نہیں ہو گی، بلکہ ایک نئی اور ہمیشہ رہنے والی اچھی یا بُری زندگی شروع ہو جائے گی۔

اس سب کچھ کے باوجود اس زندگی میں ایک خطرناک موڑ وہ ہوتا ہے، جہاں مسلمان آخرت کے حساب کتاب کے تصور کو پس پشت ڈال کر بد عملی کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ اور وہ روزِ حشر میں بھی 'نفسی... نفسی' کی بجائے 'اُمتی... اُمتی' کی پکار لگانے والے اللہ کے آخری نبی رحمۃ للعالمین ﷺ کی شفاعت کا غلط مطلب لے لیتا ہے۔ آخر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک مسلمان بد اعمالیاں کرے، آپ علیہ السلام کی سنتوں کو ذبح کرے اور آپ ﷺ کی بتائی ہوئی زندگی سے ہٹ کر یکسر غلط راستے پر چل کر اپنے پیارے نبی کو اذیتیں دے... اور پھر قیامت میں اس کی شفاعت بھی کر دی جائے!؟! پوری کائنات کا واضح راز... انسان... اللہ کی طرف سے آیا ہے اور اب واپس اسی کی جانب جا رہا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہر آنے والے کا سفر واپسی جدا جدا ہے۔ کوئی دنیا کی زندگی میں بھی اندھے اور بے خبر ہیں۔ وہ ظاہر میں نظر آنے والی خدائی کاری گریوں سے بھی انجان بنے بیٹھے ہیں۔ وہ اگلی دنیا میں بھی اندھے اور بے خبر اٹھائے جائیں گے۔ جب کہ کچھ لوگ یہاں بھی حقیقت شناس ہیں، جو باطن میں بھی چھپی اللہ کی صفات کا ادراک رکھتے ہیں اور... کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ کیوں نہیں... بلاشبہ آپ ہی ہمارے رب ہیں... کے اقرار کو نہیں بھولے۔ ایسے ہی لوگ ہیں، جن کو اللہ بھی قیامت کے روز نہیں بھولے گا اور یہی لوگ وہاں مزے کی زندگی گزاریں گے۔

پوچھا گیا کہ:... قریب کیا چیز ہے؟

ارشاد ہوا:... قیامت قریب ہے۔

پھر پوچھا گیا کہ:... قریب تر کیا چیز ہے؟

فرمایا:... موت قریب تر ہے...

دریافت کیا گیا کہ:... عجیب کیا چیز ہے؟

ارشاد ہوا:... دنیا عجیب چیز ہے۔

پھر دریافت کیا گیا کہ:... عجیب تر کیا چیز ہے؟

فرمایا:... دنیا کو چاہنے والا...

سوال کیا گیا کہ:... واجب عمل کیا ہے؟

جواب ملا:... توبہ کرنا واجب ہے۔

پھر سوال کیا گیا کہ:... واجب تر کیا عمل ہے؟

فرمایا:... جوانی میں توبہ کرنا واجب تر ہے...

تحقیق کی کہ:... مشکل کام کیا ہے؟

بتایا گیا کہ:... قبر میں اترنا مشکل کام ہے۔

پھر تحقیق کی کہ:... مشکل تر کام کیا ہے؟

فرمایا:... عمل کے بغیر قبر میں اترنا مشکل تر کام ہے...

دوزخ کے انتظام میں اُلجھا ہے رات دن
دعویٰ یہ کر رہا ہے کہ جنت میں جائے گا
خوش فہمیوں کی بھیڑ میں تو کیوں بھول گیا؟
پہلے مرے گا، بعد میں جنت میں جائے گا

شیخ الحدیث مولانا عبد السلام شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر ایک نظر

تحریر: عبدالروف حکمت

عالم کی موت عالم کی موت ہے۔

علم اللہ تعالی کی صفت ہے، علماء کرام انبیاء علیہم السلام کے وارثین ہیں، اسی وجہ سے ایک عالم کی وفات امت مسلمہ کے لئے بڑا نقصان قرار دیا جاتا ہے، اگر دینی علوم اور علماء کرام کی فضیلت اوران کی قدرو منزلت پر بات شروع کروں تو اصل مقصد رہ جائے گا اس لئے صرف ایک بات پر اکتفا کرنا چاہتا ہوں کہ ایک عالم دین کی وفات دنیا کے حالات کے پیش نظر جس طرح ایک عام سی بات سمجھی جاتی ہے حقیقت میں اس طرح نہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے کہ ''أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ) "الأنبياء ۴۴" ترجمہ: تو کیا نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے آرہے ہیں تو کیا یہ غالب ہوں گے۔

قال ابن عباس رضی الله عنه: خرابها بموت فقهاء وعلمائها وأهل الخير منها، وكذا قال مجاهد أيضاً: هو موت العلماء)

سیدنا عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ زمین کی خرابی کا مطلب علماء، فقہا اور اہل خیر حضرات کی موت اور اس دنیا سے رحلت ہے۔

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت مجاہد لکھتے ہیں کہ اس ایت کا مطلب یہ ہے علماء اور فقہاء کی وفات سے زمین کم کردی جائے گی کیونکہ جب علماء کرام نہیں رہیں گے تو جہل اور فساد برپا ہو گا۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (إن الله لا يقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من صدور الناس، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى إذا لم يترك عالماً اتخذ الناس رؤوساً جهالاً. فسئلوا فأفتوا بغير علم، فضلوا وأضلوا." (متفق علیہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ بندوں کے سینوں سے علم نہیں کھینچے گا بلکہ علماء کی موت سے علم کو قبض فرمائے گا حتی کہ کوئی عالم دنیا میں باقی نہیں رہے گا تب لوگ جہلاء کو اپنا سردار بنالیں گے، ان سے سوال کیا جائے گا، تو وہ علم کے بغیر فتوی دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ علماء کرام اور فقہاء کی موت در حقیقت دنیا کے لئے بڑا نقصان ہے۔ حدیث شریف سے بھی واضح ہوا کہ علماء کرام کی موت امت کے لئے گمراہی اور ضلالت کا پیش خیمہ ہے۔ علماء کرام کی وفات پر اپنے وقت کے بزرگوں نے جو تاثرات قائم کئے ہیں ان سے بھی ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ علماء کرام کی وفات امت کے لئے عظیم نقصان اور بڑا سانحہ ہوتا ہے جس سے اکثر لوگ بے خبر رہتے ہیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عالم کی وفات اسلام میں ایک بڑے شگاف کی مانند ہے جس کا خلا عرصہ دراز تک پر نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (الناس أحوج إلى العلم منهم إلى الطعام والشراب، لأن الطعام والشراب يحتاج إليه في اليوم مرتين أو ثلاثاً، والعلم يحتاج إليه في كل وقت) لوگوں کو کھانے اور پینے سے علم کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ کھانے اور پینے کی دن میں دو یا تین بار ضرورت پیش ہوتی ہے جبکہ علم کو ہر وقت ضرورت ہے۔

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ اسلامی معاشرے میں ایک عالم دین کی رحلت کتنا بڑا سانحہ ہوتا ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس پر فتن

دور میں مسلمانوں کو ایک عالم دین کے سانحہ ارتحال اور اس کے نقصان کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

گزشتہ دو برس کے دوران ایک منظم منصوبے کے تحت کئی اہم اور نامور علماء کرام کو شہید کردیا گیا جن میں شیخ الحدیث مولانا عبدالغنی صاحب، شیخ الحدیث مولوی عبدالغنی مہاجر صاحب، شیخ الحدیث مفتی رحمت اللہ صاحب اور دیگر جید علماء کرام کی شہادتوں کے بعد شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب اور شیخ الحدیث مولانا عبداللہ ذاکری صاحب کو شہید کردیا گیا جس نے علمی دنیا اور دیندار مسلمانوں کو سخت رنجیدہ کردیا، اس تحریر میں علم اور شہادت کے اس کاروان کے اہم راہی شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام شہید رحمہ اللہ کی حالات زندگی اور ان کے کارناموں پر چند نگارشات پیش خدمت ہیں امید ہے ملاحظہ فرمائیں گے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام شہید:

مولانا عبدالسلام شہید کی ولادت 1947ء میں ہوئی، آپ حاجی خان گل کے فرزند اور صوبہ پکتیکا کے علاقہ گومل کے رہنے والے ہیں اور قوم خروٹی قبیلہ بانزی سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے تین بھائی ہیں، آپ کو چار سال کی عمر میں اپنے والد محترم نے حصول علم کے لئے وقف کردیا۔

شیخ شہیدؒ کے اہلخانہ موسم گرما میں افغانستان کے صوبہ زابل ضلع دایچوپان کوچ کرجاتے تھے اور موسم سرما میں وہاں سے منتقل ہوکر بلوچستان کے علاقہ سبی میں قیام کرتے تھے، شیخ شہید رح کے بھائی کہتے ہیں کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے چار سال کی عمر میں قران پاک سے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، دایچوپان کے علاقہ خاکران میں مشہور عالم دین کے حلقہ درس میں شامل ہوگئے، جب موسم سرما میں ان کے اہل خانہ سبی کوچ کرجاتے تھے تو وہ اسی مدرسے میں رہ کر اکتساب علم کرتے رہے۔

حضرت شیخ شہیدؒ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ دینی تعلیم کے علاوہ ان کی کوئی اور مصروفیت نہیں تھی، آپ تیرہ سال کی عمر تک اسی مدرسے میں تعلیم حاصل کرتے رہے جس کے بعد مزید علم حاصل کرنے کے لئے صوبہ زابل کے معروف اور جید علماء کرام کے پاس گئے جن میں ضلع شاجوی کے معروف عالم دین مولوی سردار صاحب المعروف پاسنو اخندزادہ اور قلات کے نامور عالم دین اور استاذالعلماء مولوی عنایت اللہ صاحب [غبرگی اخندزادہ] شامل ہیں، ان سے شرف تلمذ حاصل کیا اس کے علاوہ قندہار، میدان وردگ، غزنی اور ملک کے مختلف علاقوں میں مشہور اور جید علماء کرام سے علم حاصل کیا۔

حضرت شیخؒ نے زمانہ طالب علمی کے دوران کابل کے قلعہ جواد کے حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم مجددی صاحب سے بیعت فرمایا اور اسی نقشبندیہ مجددیہ کے مسلک پر آخر تک قائم رہے، آپ نے کم عمری میں تمام فنون کی کتابیں پڑھیں اور علم حدیث حاصل کرنے کے لئے پاکستان کے مشہور دینی درسگاہ مدرسہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا اور مدرسہ کے جید عالم دین شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب سے 25 سال کی عمر میں سند فراغت حاصل فرمائی۔

درس وتدریس:

شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام شہیدؒ نے دینی علوم سے فراغت کے بعد درس وتدریس کا آغاز کیا آپ نے ابتداء میں تین سال تک عام مروجہ دینی کتابوں کو پڑھانے کا اہتمام کیا اور اس کے بعد شہادت کے دن تک حدیث شریف کی کتابیں پڑھاتے رہے۔

آپ نے درس وتدریس کا آغاز مدرسہ مفتاح العلوم سبی [بلوچستان] سے کیا اس کے بعد مدرسہ بحر العلوم کوئٹہ میں مدرس مقرر ہوئے یہاں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد مدرسہ دارالعلوم قاسمیہ شابو میں درس وتدریس کی خدمات انجام دی، پھر یہاں سے چلے گئے اور کوئٹہ کے محمد ایوب محلہ میں مدرسہ خیر المدارس میں 1994ء تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ حدیث کی تدریس میں مہارت تامہ کے مالک تھے۔

1994ء میں صوبہ خیبر پشتونخوا کے ضلع ڈیرہ اسماعیل پہاڑپور میں مولوی عبدالجبار کے مدرسہ میں دورہ حدیث کی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، یہاں تین سال گزارنے کے بعد جنوبی وزیرستان کے صدر مقام وانا میں مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم جنوبی وزیرستان میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور مسلسل چھ سال تک اسی مدرسہ میں شیخ الحدیث کے طور پر پڑھاتے رہے اور کثیر تعداد میں طلبہ نے آپ سے سند فراغت حاصل کی۔

وزیرستان میں چھ سال تک پڑھانے کے بعد واپس ڈیرہ اسماعیل خان تشریف لائے جہاں مولوی عبدالجبار کے مدرسہ میں ایک سال دورہ حدیث پڑھانے کا انتظام سنبھالا اور اس کے بعد ایک بار پھر 2006ء میں کوئٹہ تشریف لے گئے جہاں کلی حاجی محمد ایوب مدرسہ خیر المدارس میں شیخ الحدیث کے طور پر طلبہ کو احادیث شریف پڑھاتے رہے یہاں پر شہادت کی تاریخ سنہ 2014ء

تک حدیث شریف کی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور ہر سال سینکڑوں طلبہ آپ سے اکتساب علم کرتے ہوئے کثیر تعداد میں فضلاء آپ کے مدرسہ سے سند فراغت حاصل کرتے رہے۔ حضرت شیخ صاحب زندگی میں تین بار 1999ء۔2005ء اور 2009ء میں حج کی سعادت حاصل کی۔

سانحہ شہادت:

شیخ الحدیث مولانا عبد السلام شہیدؒ اپنے مدرسہ خیر المدارس میں احادیث نبوی کو پڑھانے کے علاوہ عوام کی مشکلات دور کرنے کے لئے اصلاح کی کوششیں بھی کرتے رہے، وہ عوام میں نہایت مقبول رہنما تھے، عوام ان کی باتوں کو غور سے سنتے اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کے تعاون سے اپنے مسائل حل کرتے تھے۔

۲۷ محرم 1435ھ کی شب وہ ایک دعوت پر گئے تھے اور واپسی پر اپنے ایک دوست کے ہمراہ گھر جا رہے تھے کہ راستہ میں دو موٹر سائیکل سواروں نے ان پر فائرنگ کی اور دو گولیاں ان کو پیوست ہو گئیں جس سے وہ شدید زخمی ہوئے، جنہیں فوری طور پر مقامی ہسپتال منتقل کر دیا گیا تین دن تک طبی علاج و معالجہ کرانے کے بعد 30 محرم کو رات کے گیارہ بجے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اللہ کو پیارے ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ صاحب کی شہادت کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی اور ایک بڑے سانحہ کے طور پر اہل علم اور عوام الناس کو ایک گہرے رنج و غم میں مبتلا کر دیا، علماء کرام، عام مسلمانوں اور طلبہ کو رلا دیا، شاگردوں نے ان کے وصال پر آنسو بہائے، امارت اسلامیہ افغانستان کی رہبری شوری نے اس سانحہ کے موقع پر اعلامیہ جاری کر دیا اور تمام مسلمانوں نے وقت کے جید عالم دین کی شہادت پر ان کے بزدل قاتلوں پر لعن طعن کیا۔

ان کی نماز جنازہ 30 محرم کو ان کے قریبی دوست اور جید عالم دین شیخ الحدیث مولانا ہبیت اللہ اخندزادہ کی امامت میں ادا کی گئی، نماز جنازہ میں علماء کرام، طلبہ اور عام دیندار مسلمانوں نے ہزاروں کی تعداد میں شرکت کی۔ اس موقع پر ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل غمزدہ تھا، شہیدؒ کو آہوں اور سسکیوں میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ حضرت شیخ شہید نے سوگواران میں تین صاحبزادے چھوڑے جن میں دو علماء اور تیسرا ابھی طلب علم میں مصروف ہے۔

حضرت شیخ شہیدؒ کی شہادت کی مناسبت سے امارت اسلامیہ کی رہبری شوری کا پیغام:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (الاحزاب ۲۳)

ایک افسوسناک اطلاع ملی ہے کہ ملک کے نامور علمی اور جہادی شخصیت شیخ الحدیث والتفسیر مولوی عبد السلام صاحب تین روز قبل اسلام اور دین کے دشمنوں کی جانب سے ایک بزدلانہ حملہ میں شدید زخمی ہوئے، گزشتہ رات ہمسایہ ملک پاکستان کے ضلع کوئٹہ میں ایک مقامی ہسپتال میں زخموں کی تاب نہ لاتے 67 سال کی عمر میں جام شہادت نوش کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چونکہ مرحوم شیخ صاحب افغانستان کی سطح پر ایک معروف عالم دین اور امارت اسلامیہ کے اہم علمی اور جہادی رہنماؤں میں سے تھے، استاد کل کی حیثیت رکھتے تھے، ہزاروں طلبہ نے ان سے علم حاصل کیا، اس لئے ان کی شہادت افغانستان اور خطے کی علمی اور جہادی پیشرفت کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔

حضرت شیخ صاحب [رحمہ اللہ] حاجی خان گل کے فرزند اور صوبہ پکتیکا کے رہنے والے ہیں، انہوں نے اپنی پوری زندگی اسلام کی خدمت میں گزاری، وہ 25 سال کی عمر میں دینی علوم کے حصول سے فارغ ہوئے، فراغت سے دو سال بعد احادیث نبوی [دورہ حدیث] کے درس و تدریس کا آغاز کیا اور گزشتہ 34 سال سے مختلف مدارس میں احادیث پڑھاتے رہے، جنوبی وزیرستان کے مدرسہ دار العلوم وانا، ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک دینی درسگاہ اور بلوچستان کے ضلع کوئٹہ کے علاقے شیخ ماندہ میں جامعہ خیر المدارس اور دیگر مدارس میں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دیتے رہے۔

حضرت شیخ شہیدؒ جید، متقی اور زیرک عالم دین تھے، اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ نہایت محبت کرتے تھے اور عام لوگوں میں بے پناہ مقبولیت رکھتے تھے، جہاد کے اہم داعی کے طور پر جانے جاتے تھے، وہ ہر تقریب، محفل اور جہادی جلسوں میں بڑے جرأتمندانہ انداز سے جہاد کی حمایت میں خطاب کرتے تھے اور مجاہدین کی ذہن سازی اور تربیت کرنے کے علاوہ عام لوگوں کو بھی قابض افواج کے خلاف جانی اور مالی جہاد میں حصہ لینے کی ترغیب دیتے تھے۔

حضرت شیخ شہیدؒ کئی سالوں سے درس حدیث کے ساتھ ساتھ دورہ تفسیر

قرآن کریم بھی پڑھاتے رہے۔ ہزاروں طلبہ نے ان سے کسب فیض کیا۔وہ اپنی ان خوبیوں کے باعث اسلام دشمنوں کے لئے ناقابل برداشت تھے اس لئے ان پر ایک بزدلانہ حملہ کرکے شہید کردیا گیا،ان کے دشمنوں کا یہ عمل حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے دونوں جہانوں کی سربلندی اور قاتلوں کی دنیاو آخرت کی بردبادی کا سبب بنا۔

امارت اسلامیہ اس بڑے سانحہ کے موقع پر ان کے لواحقین، شاگردوں، مجاہدین اور ملک کے تمام عوام اور مسلمانوں سے تعزیت کرتی ہے۔ اللہ تعالی ان کی شہادت قبول فرمائے اور ان کے پسماندگان، لواحقین اور شاگردوں کو صبر جمیل عطافرمائے۔

امارت اسلامیہ افغانستان کی مرکزی شوری

شیخ مولانا عبدالسلام صاحب کی شخصیت:

حضرت شیخ شہیدؒ کی نابغہ روزگار شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ تبحر عالم، شیخ الحدیث والتفسیر اور فقہ حنفی کے نامور عالم تھے، سوویت یونین کی یلغار اور اب امریکی جارحیت کے خلاف جہاد کے نہ صرف حامی تھے بلکہ مجاہدین کی فکری تربیت بھی کرتے تھے اور ایک رہنما کی حیثیت رکھتے تھے، وہ ہمیشہ مجاہدین سے ملاقاتیں کرتے تھے، ان کو خیر اور بھلائی کے کاموں کی ترغیب دیتے تھے اور نیک مشوروں سے نوازتے تھے اور اپنی جانب سے ہر وقت ہر ممکن تعاون کرتے تھے۔

شیخ صاحب علیہ الرحمہ نے جس طرح اپنی عمر کا بڑا حصہ درس وتدریس میں صرف کیا اس طرح وہ لوگوں کے درمیان جاری تنازعات ختم کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتے تھے، بڑے قبیلوں کے درمیان قبائلی رنجش ختم کرنے اور انہیں شیر وشکر کرنے میں نہایت فعال رول ادا کرتے تھے، جس طرح وہ جید عالم دین تھے اسی طرح وہ معاشرے کے حالات سے بھی خوب آگاہ تھے، وہ مسلمانوں کے درمیان تنازعات کو ختم کرنے، ناراض لوگوں اور قبیلوں کے درمیان تصفیہ کرنے اور دو فریقین کے درمیان جاری لڑائی کو افہام وتفہیم سے ختم کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، وہ مسلمانوں کے غم ودکھ میں شریک ہوتے تھے اور بہت کوشش کرتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان تنازعات کو ختم کرکے ان کے درمیان اتحاد اور بھائی چارے کی فضا قائم کریں۔

حضرت شیخ صاحب کے قریبی دوست اور جید عالم دین شیخ الحدیث مولانا ہیبت اللہ اخندزادہ نے بتایا کہ مولانا عبدالسلام صاحب کے ساتھ میرا قریبی تعلق تھا، کئی سفروں میں ہم ایک ساتھ تھے، مختلف جلسوں اور تقریبات میں ہم شریک ہوتے تھے، ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے دل خوش رکھیں اور ان کے درمیان اتحاد بالخصوص علماء کرام کے درمیان اتفاق کے لئے زیادہ کوشش کرتے تھے، وہ اپنی تقاریر میں علماء کرام کے درمیان اتحاد پر زیادہ زور دیتے تھے اور اختلاف سے دور رہنے کی ترغیب دیتے تھے۔

افغانستان کے ایک معروف جہادی اور علمی شخصیت مولوی فرید صاحب بھی حضرت شیخ صاحب کے قریبی دوست تھے ان کا کہنا ہے کہ حضرت شیخ صاحب اس پرفتن دور میں قابل فخر اور قابل تقلید عالم دین تھے، وہ اسلاف کے نمونہ تھے، صورت اور سیرت میں شریعت کے برابر تھے، ظاہر سے باطن میں بہتر معلوم ہورہے تھے، مخلص انسان تھے، رات کے آخری حصہ میں خفیہ طور پر تہجد کی نماز پڑھتے تھے اور پھر واپس آرام فرماتے تھے تاکہ کسی کو ان کے تہجد کی نماز کا پتہ نہ ہو، میں ان کا عینی شاہد ہوں۔

علمی استعداد میں مثال آپ تھے، جب ان سے کسی فقہی مسئلہ میں پوچھا جاتا یا کسی حدیث شریف کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو وہ فوراً جواب دیتے اور کتاب کا حوالہ بھی دیتے تھے، وہ مسائل میں نہایت محتاط رہتے تھے اور بڑی معتبر کتابوں کا حوالہ دیتے تھے، اخلاق اور تواضع کی صفات سے اللہ تعالی نے انہیں نوازا تھا، وہ سفر میں خود خدمت کرتے تھے، کھانا تیار کرنے میں ساتھیوں کی مدد کرتے تھے، وہ اچھے اخلاق کے مالک تھے، خوش مزاج تھے، وہ شرین بیان تھے، ان کی گفتگو میں لذت ہوتی تھی، وہ چھوٹوں اور بڑوں کے ساتھ ان کی حیثیت کے مطابق گفتگو کرتے تھے اور ہر ایک کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

چند علماء کرام کے تاثرات کو قلم بند کرکے نمونہ کے طور پر پیش کردیا گیا، ان کی زندگی اور کارناموں کا پورا احاطہ کرنا یہاں میرے لئے دشوار کام ہے، اللہ تعالی نے انہیں اچھی خوبیوں کا سرچشمہ پیدا کیا تھا اور اعلی صفات سے نوازا تھا، ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالی ان کے صاحبزادوں اور شاگردوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے تاکہ یہ علم وخیر کا یہ بحر اسی طرح جاری وساری رہے، امین یارب العلمین۔

اسلامی اور غیر اسلامی [جمہوری] نظام میں فرق

بشیر

ہم نے اپنے ملک میں مغربی جمہوریت کا حشر دیکھ لیا اور ان جمہوری پردوں میں چھپا، کرزئی کا اصل چہرہ بھی افغانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، کہ اس نظام میں لگائے جانے والے تمام نعرے اور وعدے جعلی اور نمائشی ہوتے ہیں، صدارتی انتخابات کے گندے پروجیکٹ نے انکے مزید کوتاہیوں کا پول کھول دیا کہ کسی ملک کے باسیوں کے نظام حکومت کو تباہ کرنے کا اصل راستہ جمہوریت ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ پسماندہ ممالک پر حکومت کا ایک آسان ذریعہ جمہوریت ہے۔

جمہوریت نے مغرب میں جنم لیا اور مغربی ممالک کے عوام اپنے بنائے ہوئے نظام سے بڑی حد تک واقف تھے دوسری طرف مشرقی عوام کیلئے یہ نظام بالکل اجنبی تھا، لیکن مغرب نے مسلسل جارحیت اور اپنے وسائل کی مدد سے یہ نظام مشرقی ممالک کے عوام پر بھی مسلط کر لیا، پھر ان ممالک میں افغانستان کسی حد تک محفوظ تھا اور دوسرے ممالک کی نسبت یہاں افغانی تہذیب و روایات اور اقدار کافی حد تک نافذ تھی، لیکن گیارہ ستمبر[نائن الیون] کے بعد جب امریکا نے اپنے صلیبی اتحادیوں کی مدد سے افغانستان پر جارحیت کی تو جمہوری نظام کا تحفہ بھی اپنے ساتھ لے آئے، آج افغانستان میں یہی امریکی جمہوریت کا نظام نافذ العمل ہے، شروع میں امریکا نے بین الاقوامی میڈیا کے ذریعے تمام افغانوں میں یہ تاثر عام کیا کہ جمہوریت سے ملک امن کا گہوارہ بن جائے گا، بھوک و افلاس کا خاتمہ ہو گا، ملک ترقی اور خوشحالی کی شاہراہ پر چل پڑے گا، لیکن تیرہ سال گذرنے کے باوجود جب نتیجہ صفر نکلا تو امریکا سمجھ گیا کہ اب کرزئی کا سکہ زنگ آلود ہو چکا ہے اور افغان عوام اب اس سے مزید توقعات وابستہ نہیں رکھیں گے۔

چنانچہ کرزئی کے جانشین کے طور پر اب امریکا اشرف غنی یا عبداللہ کو یہ منصب سونپنا چاہتا ہے، یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ امریکا ان دونوں کے ذریعے افغانوں کو آپس میں دست و گریبان کرنا چاہتا ہے، کیونکہ یہ کام ان کے وسیع تر مفاد اور افغانستان میں انکے مستقل قیام کی راہ ہموار کرے گا، اس مقصد کیلئے اب افغانستان میں قومی، لسانی اور علاقائی بنیاد پر لوگوں کو تقسیم کرنے کا عمل شروع ہو چکا ہے تاکہ افغانوں کے ملی وحدت کو توڑا جا سکے، مختصر یہ کہ جمہوریت امریکی ارادوں کے تابع ایک ایسا نظام ہے جس کو وہ جیسا چاہے دنیا کے آزاد ممالک کو محکوم بنانے کیلئے استعمال کرتا ہے دوسری طرف جمہوری نظام افغانی معاشرے کی روایات اور اقدار کے بالکل برعکس نظام ہے۔ اس نظام میں افغانستان کے مفادات کے بجائے غیر ملکی جارح قوتوں کے مفادات کو ترجیح دی جاتی ہے۔

الحمدللہ افغان ایک مسلمان قوم ہے اور اسلام میں نظام حکومت کا خوبصورت نظام اور اصول موجود ہیں، ہمیں کسی قسم کی جمہوری نظام کی ضرورت نہیں، جمہوریت کی ضرورت مغرب کو ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنے مذموم مقاصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکتا، افغانستان میں ہر اس حکومت کا راستہ روکا جاتا ہے جو جمہوریت کیلئے تیار نہ ہو، جعلی اور نمائشی انتخابی پروجیکٹس اسی لئے شروع کئے گئے ہیں تاکہ اس قسم کی حکومتوں کا راستہ روکا جا سکے، اس کام کیلئے دنیا بھر میں بے شمار ایجنٹس مختلف ناموں کے تحت پروپیگنڈے میں مصروف ہیں۔

جب امریکا سمجھ گیا کہ اب جمہوریت کے نام پر لوگوں کو مزید دھوکہ نہیں دیا جا سکتا تو اب ملی یکجہتی کا راگ الاپنا شروع کر دیا ہے اور اپنے کاسہ لیسوں کے تمام جہتوں کو ایک اتحادی حکومت کے قیام پر راضی کرنے کی کوشش کر رہا ہے

یہاں یہ بات واضح ہوئی کہ امریکا ایک مرتبہ پھر افغانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہا ہے کہ آنے والی حکومت انکی نمائندہ حکومت ہو گی، لیکن افغانوں کی اکثریت جانتی ہے کہ امریکا اس راستے سے کن اہداف تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، تو پھر افغانوں کیلئے جارح قوتوں کی چھتری تلے ملی یکجہتی کے نام پر بننے والی حکومت کرزئی کی حکومت سے کیونکر مختلف ہو سکتی ہے۔ اور نہ افغان قوم ان جعلی امیدواروں کے وقتی اور پر فریب نعروں کو ایک آزاد ملک کے امیدوار کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

افغانوں کے تمام مسائل کا حل صرف اسلامی نظام میں ہے اور اسلامی اور غیر اسلامی نظام کا فرق اور اختلاف اسی میں ہے کہ غیر اسلامی معاشروں میں حکومت کو ایک حق اور مفاد کے طور پر دیکھا جاتا ہے اسی وجہ سے مدمقابل جماعتیں اپنی برتری اور اقتدار کے حصول کیلئے ہر جائز اور ناجائز حربہ استعمال

کرنے سے دریغ نہیں کرتیں، وہ ہمیشہ اقتدار کے حصول کی کشمکش میں مبتلا رہتی ہیں کہ کس طرح صدارت، وزارت یا اعلیٰ مناصب تک رسائی حاصل کی جائے ۔ اس مقصد کیلئے وہ مختلف جماعتیں تشکیل دیتے ہیں وہ رائے دہندگان کو دھوکہ دینے کیلئے مختلف حیلے اور بہانے تراشتے ہیں، ہر جماعت اپنے مفاد کیلئے جھوٹ کا سہارا لیتی ہے اور اس کام کیلئے بھی انفرادی ٹیمیں تشکیل دی جاتی ہیں

لیکن اسلام میں حکومت کی حیثیت ایک امانت اور بڑی ذمے داری کی ہے اسلامی حکومت میں حکمرانوں کی عیاشیوں اور مستیوں کا تصور ہی نہیں، اسلامی حکومت کے حکمران اور خلیفہ کے کندھوں پر دنیا اور آخرت کا ایک بھاری بوجھ ہوتا ہے، ہر وہ شخص جو خود اقتدار کا طالب ہو، وہ شخص امارت اور اقتدار کا اہل نہیں، جو شخص خود ہی اقتدار کی خواہش رکھتا ہو اسکے ساتھ اللہ کی نصرت شامل حال نہیں ہوتی، مسلمان کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ خود اقتدار یا امارت کی خواہش نہ کریں، یہاں تک کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہم اس شخص کو امارت یا اقتدار کی کرسی حوالہ نہیں کرتے جو خود اس منصب کا طلبگار ہو یا اس کے حصول کی خواہش دل میں رکھتا ہو" [بخاری]۔

تو اپنی استطاعت کے مطابق حکومت اور امارت کی کرسی سے اجتناب کرنا ایک بہترین عمل ہے، یہاں قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ اسلام اہلیت کی بنیاد پر اس شخص کو نااہل قرار دیتا ہے جو اپنے آپکو خود منتخب کرتا ہے اور اقتدار کا مطالبہ کرتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ اسلامی سیاست میں خود کو منتخب کرنے کا تصور ہی نہیں، اور جو لوگ اپنے انتخاب کو اسلامی احکام کے مطابق بتاتے ہیں وہ لوگ اسلامی احکام میں تحریف کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

ایک مسلمان کیلئے سب سے اچھی بات یہ ہے کہ جتنا ہو سکے اپنے آپکو امارت اور اقتدار سے دور رکھے کیونکہ اسلام اس شخص کو اقتدار کا اہل نہیں سمجھتا جو خود کو امارت کیلئے پیش کرے۔ لیکن افسوس کہ بعض افراد اِدھر اُدھر کی باتوں کو اسلام کی طرف منسوب کرنے میں مصروف ہیں یا اس مغربی نظام کو اسلام کے لبادے پیش کرنے پر تلے ہوئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی دلوں میں جمہوریت کی محبت کھوٹ کھوٹ کر بھری ہوئی ہے اسلام میں جمہوری نظام خواہ وہ ریاستی ہو یا پارلیمانی کسی کی بھی گنجائش نہیں کیونکہ دونوں میں اقتدار اعلیٰ کا حتمی مرجع عوام ہوتے ہیں لوگوں کی اکثریت کا ہر فیصلہ اٹل اور ناقابل تردید ہوتا ہے {خواہ وہ اسلامی احکام سے متصادم ہی کیوں نہ ہو} جمہوریت میں اہلیت کا معیار اکثریت کی حمایت ہے، وہ شخص اقتدار کا اہل ہے جسکی پشت پر اکثریت کی حمایت ہو وہ جیسا شخص بھی ہو، یہاں کردار اور گفتار کی کسوٹی پر کسی شخص کو نہیں پرکھا جاتا، یہاں اکثریت کے فیصلے کو رد نہیں کیا جاتا، ہمارے یہاں کچھ مسلمان اس لئے جمہوری نظام کے حامی ہیں کہ وہ آئین میں اس شق کا اضافہ کریں گے کہ یہاں "قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون پاس نہیں کیا جائے گا" لیکن یہ قانون پاس کرنا در اصل لوگوں کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے، کیونکہ یہ کام کبھی بھی قابل عمل نہیں ہو سکتا، اور کوئی بھی رکن پارلیمنٹ اس قانون کو غیر آئینی اور غیر قانونی قرار دے سکتا ہے، ہمارے قلم کار جب جمہوریت کو عوامی حکومت سے تعبیر کرتے ہیں تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معاذاللہ حاکمیت اعلیٰ کا اصلی مرجع عوام ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کل مسلمانوں کی اکثریت اور خاص کر اسلامی ممالک اپنا اسلامی تشخص کھو چکی ہیں، جب ہم اپنے ہمسایہ ممالک کو دیکھتے ہیں جہاں جمہوریت نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں یہاں بڑی بڑی سیاسی جماعتیں موجود ہیں اور یہاں ایک رکن پارلیمنٹ ملک کے نام سے لفظ "اسلامی" کو ہٹانے کا مطالبہ کرتا ہے یہاں تک کے ملک کے صدر اور وزیر اعظم کے مسلمان ہونے کی شرط کو بھی ختم کئے جانے مطالبے کے سامنے آئے ہیں۔

یہ جمہوریت اور عوامی انتخابات کے وہ برے نتائج ہیں جن کی وجہ سے ان ممالک کے مسلمان باشندے پریشان ہیں ان حالات کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ملک میں جمہوری حکومت کے قیام کی کوششیں اسلامی اور افغانی تہذیب وتمدن کے کس قدر منافی ہیں، یہ خالص مغربی نظام ہے جو افغانستان کے مہذب اور اسلامی معاشرے سے مشابہت نہیں رکھتا، یہ ایک پرایا فکری اور خود ساختہ نظام ہے جسے زبردستی افغانستان میں لاگو کیا جارہا ہے، افغانستان کی موجودہ حکومت اتحادی ممالک کے کنٹرول میں ہے اور وہ اپنے فرسودہ نظام کی یہاں پلنے کی راہ ہموار کررہے ہیں۔

عبداللہ اور اشرف غنی دونوں ایک آقا کے غلام ہیں اور انہی کے حکم پر انتخابی میدان میں کود پڑے ہیں اور انہی کے مفادات کی خاطر اتحادی حکومت میں خدمات انجام دیں گے ، افغانستان میں اسلام اور افغانوں کے خلاف جاری اس صلیبی جنگ میں اتحادیوں کے اہم آلہ کار کے طور پر خدمات انجام دیں گے اسی وجہ سے اس خوش فہمی میں مبتلا رہنا کہ جمہوریت کے یہ علمبردار افغانستان کی ترقی اور خوشحالی کیلئے کردار ادا کریں گے یا افغانستان کو موجودہ دگرگوں حالات سے نجات دلانے میں کامیاب ہوں گے یا عبداللہ اور اشرف غنی کے درمیان مفاہمت واقعی ایک بڑی اہم سیاسی پیشرفت ہے یہ محض ہماری خام خیالی ہے، حقیقت میں دونوں امیدوار ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں، دونوں کا ہدف ایک ہے موجودہ جمہوری ڈرامہ اسی لئے رچایا گیا تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ افغانستان میں بھی انتخابات ہوئے، دو مخالف سیاسی امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوا، عبداللہ اور اشرف غنی کو ایک دوسرے کا حریف ظاہر کیا گیا لیکن حقیقت میں دونوں ایک در کے دربان ہیں۔

اخلاقیات کا معیار!!!

محمد فرہاد جانباز

اس سے بڑی دوغلی پالیسی اور کیا ہو سکتی ہے؟!؟

عراق اور شام کے اکثر علاقوں پر ایک بڑی حکومت قائم کرنے والی تنظیم "اسلامک اسٹیٹ" I.S جوں جوں ترقی کرتی چلی جارہی ہے، توں توں عالمی دہشت گرد امریکہ کے پیٹ میں بھی مروڑ اٹھنے شروع ہو گئے ہیں۔ اسی پیٹ درد کا نتیجہ ہے کہ وہ بلاتوقف ڈرون بمباری کا بھیانک کردار ادا کرنے لگا ہے۔

اس دہشت گردی اور بے جا مداخلت کا بدلہ لینے کے لیے 'الدولۃ الاسلامیۃ' نے امریکہ کے ساتھ براہِ راست خونی جنگ کی دھمکی دیتے ہوئے کہا ہے: "ہم امریکہ کو خون کے سمندر میں غرق کر دیں گے!!!" (یہاں ان لوگوں کی بند آنکھیں بھی کھل جانی چاہئیں، جو القاعدہ اور الدولۃ الاسلامیۃ کے مابین اختلافات کی ہوائیاں اڑاتے رہتے ہیں۔ القاعدہ نے دولۃ اسلامیہ کے ٹھکانوں پر اور عمل داری ایریے میں امریکی بمباری کے بدلے میں تمام مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ جس طرح سے بھی ممکن ہو، امریکی مفادات کو نقصان پہنچانے کی مکمل کوشش کریں۔)

کفریہ شجرۂ خبیثہ کی ایک کانٹے دار ٹہنی ہونے کے ناطے برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون نے اپنے مذموم احساسات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے "دولۃ اسلامیہ ...براہِ راست برطانیہ کے لیے خطرہ ہے۔" اس احساساتی اظہاریے کو 'آئی بی عاقلہ، ہر کام میں داخلہ' کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔؟!! اسی لیے دولتِ اسلامیہ نے مشرق وسطی سے 'گلوبل پوسٹ' اور مشہور خبر رساں ادارے \'A F P\' سمیت دیگر نیوز ایجنسیوں کے لیے رپورٹنگ کرنے والے امریکی صحافی 'جیمز فولی' کو انتقاماً قتل کر دیا ہے۔ دولت اسلامیہ نے انتقامی سرد مہری سے لیے گئے اس انتقام کو مؤثر بنانے کے لیے "قصاب کا طریقہ" اختیار کرتے ہوئے خنجر کا استعمال کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ 'امریکہ کے نام پیغام' کے عنوان سے اس قتل کی ویڈیو بنا کر نیٹ پر اپ لوڈ کر دی ہے۔ جس کا خوف ناک منظر دیکھ کر فرانس، برطانیہ اور امریکہ کی رگوں میں شیطان کی طرح سرسراتا ہوا جالی لہو منجمد ہو کر رہ گیا ہے۔ اس پر فرانس نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے: اگر اس اقدام کی تصدیق ہو جاتی ہے، تو یہ ایک 'اخلاق باختہ' قدم ہے۔ وائٹ ہاؤس کی قومی سلامتی کی ترجمان 'کیٹلن ہیڈن' نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے: اگر یہ ویڈیو صحیح ہے، تو ہمیں ایک 'بے گناہ امریکی صحافی' کے بہیمانہ قتل سے شدید صدمہ پہنچا ہے۔ امریکی صدر بارک اوباما نے اپنے 'انسانی ہمدردی سے لبریز زریں خیالات' کا اظہار فرماتے ہوئے واضح کیا ہے کہ: 'امریکی صحافی جیمز فولی کا سر قلم کرنا... تشدد کا ایک ایسا واقعہ ہے، جس نے پوری دنیا کے ضمیر کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ صدر اوباما نے مزید گل فشانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: "دولتِ اسلامیہ کے شدت پسندوں کے لیے 21 ویں صدی میں کوئی جگہ نہیں ہے!'

دوسری طرف انسانیت سے ہمدردی کا نغمہ گاتے ہوئے ان دوغلے کافروں کی زبان میں ذرا سی بھی لرزش تک نہیں آتی ہے۔ اسرائیل کی خون آشام درندگی کے نتیجے میں زخمی ہونے والے فلسطینی بچوں کے علاج کے لیے برطانوی وزیر اعظم نے ان کے برطانیہ لائے جانے پر پابندی لگا دی ہے۔ اس سے بڑھ کر منافقت اور دوغلا کردار اور کیا ہو سکتا ہے۔؟!! کیا ساری کی ساری ہمدردی، انسانیت اور اخلاقیات صرف کافروں کے لیے ہی رہ گئی ہیں۔؟!! اُن کے ہاں اخلاقیات کا مفہوم صرف یورپی اور امریکی کافروں کے لیے ہی مختص ہے!!؟ یقیناً اس کڑوے سوال کا جواب ان کے شعور و فہم کے کسی بھی دریچے میں نہیں ہو گا!!! افغانستان میں ہزاروں بے گناہ بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو فاسفورس بموں سے اڑا کر فنا کر دیا گیا ہے۔ گولیوں سے ان کے معصوم بدن چھلنی کر دیے گئے ہیں۔ جنسی جرائم کی ایک الگ دردناک تاریخ رقم کی گئی ہے۔ وہ کون سا ظلم ہے، جسے افغان دھرتی پر آزمایا نہ گیا ہو۔؟! وہ کون سا ستم ہے، جسے افغانستان کی سرزمین پر ایجاد نہ کیا گیا ہو۔؟..! وہ کون سی درندگی ہے، جس کا شکار افغان عوام نہ ہوئے ہوں۔؟..!! اگر ایک 'جیمز فولی' کے قتل کو اخلاق باختہ کہتے ہو، تو لاکھوں بے گناہ افغانیوں، کشمیریوں، فلسطینیوں، عراقیوں، شامیوں، شیشانیوں، بوسنائیوں، اور چینی مسلمانوں کے قتل عام کو کیا نام دو گے۔؟!! امت مسلمہ کی کئی بیٹیوں سمیت عافیہ صدیقی کی قید و بند کی ناقابل برداشت صعوبتوں کو 'اخلاق یافتہ' کہنے کی جرأت رکھتے ہو۔؟!!

امریکہ و یورپ کے بد عقل دانشور چلو بھر پانی میں ڈوب نہیں مرتے... کہ تمہارے کتے تو اعلیٰ ایٹمز کی غذائیں تناول فرمائیں اور مسلمانوں کے بچوں کو زخمی کرنے کے بعد دوائی بھی نہ ملے!؟! اور پھر تمہارا مطالبہ یہ ہو کہ دنیا سے فساد اور دہشت گردی ختم ہو جائے۔؟ دنیا میں امن کی فاختائیں اونچی اڑانیں بھرتی نظر آئیں!! نہیں صاحب نہیں! ایسا تو اس کائنات کے کسی بھی ملک میں نہیں ہوتا ہے... تمہاری اس دوغلی سیاست سے امن کبھی بھی نہیں قائم ہو سکتا ہے۔ اس منافقت سے دہشت گردی ہرگز ختم نہیں ہو سکتی ہے۔ اے ہاتھی والو! اب وہ زمانہ گیا کہ تم ہمیں امن کی لوریاں دے کر چپ کرا دیا کرتے تھے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ 21 ویں صدی میں تم تو عیش میں رہو اور ہماری ملت عذابوں میں رہے...!

ہم پہ روئیں ہماری ہی مائیں سدا

ہم نے اگر تم کو خوں کے آنسو رلایا نہیں!!

غزہ کی مزاحمت سے ہم کیا سیکھ سکتے ہیں؟

شاہد غزنوال

21 جون کو فلسطین کے شہر الخلیل میں تین صہیونی جوانوں کے اغواء اور ہلاکت کے بعد صہیونی انتظامیہ نے غزہ کی پٹی پر فضائی بمباری شروع کر دی۔ انہوں نے بلا کسی دلیل وجحت کے ان صہیونی جوانوں کی ہلاکت کا الزام غزہ میں تحریک حماس پر لگا دیا۔ اور اسے صہیونی جوانوں کے اغوا اور قتل کا ذمہ دار قرار دیا۔

تادم تحریر صہیونی انتظامیہ نے اس وحشیانہ بمباری میں 600 کے قریب فلسطینیوں کو شہید اور 3500 کو زخمی کر دیا ہے۔ اس وحشیانہ کارروائی میں اب تک فلسطینی ذرائع کے مطابق 52 اسرائیلی فوجی ہلاک اور 150 کے قریب زخمی ہو گئے ہیں۔ جبکہ ایک اہلکار حماس کے عسکری بریگیڈ قسام کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہو چکا ہے۔

عالمی فوجی ماہرین کی تحقیق کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ فلسطینی مجاہدین اور صہیونی جارحیت پسندوں کے درمیان جاری جنگ انتہائی خونریز اور عین وقت پر صہیونی حکام کے لیے سب سے زیادہ دندان شکن جنگ قرار دی گئی۔ کیوں کہ صہیونی حکام گذشتہ 8 سال سے اس فکر میں ہیں کہ غزہ کو اپنی زمینی، فضائی اور بحری محاصرے میں رکھیں۔ مگر ان کی تمام کوششوں کے باوجود حماس اس نوعیت کا کارآمد اسلحہ جمع کرنے میں کامیاب رہا جس سے وہ صہیونیوں کی دفاعی اور جاسوسی قوت کو چیلنج کرے۔ اور اپنے ہاتھوں سے تیار کردہ میزائلوں اور ابابیل نامی ڈرون طیاروں کے ذریعے تل ابیب کے قلب میں صہیونی اہداف کو نشانہ بنائے۔

عالمی جنگی ماہرین اس بات پر حیران ہیں کہ حماس کے لیے کیسے ممکن ہوا کہ ایسے خطرناک حالات میں جہاں زمین، فضا اور سمندر کی جانب سے سخت محاصرے اور نگرانی میں ہونے کے باوجود پھر بھی انہوں نے خود ساختہ ہتھیاروں سے دنیا کی دوسری مضبوط اسرائیلی فوج کو شکست دی۔

اس محاصرے میں غزہ میں حماس نے ڈرون طیارے بنا کر وہ کامیابی حاصل کی جس کی پوری عرب دنیا اپنے تمام تر وسائل کے باوجود تصور بھی نہیں کر سکتی۔ غزہ کی پٹی میں آبادی کی کل تعداد دو ملین اور اس کا رقبہ 360 کلو میٹر ہے۔ لمبائی 41 کلو میٹر اور عرض 15.15 کلو میٹر ہے۔

غزہ کی زمینی مساحت پورے فلسطین کا ڈیڑھ فیصد اور پوری عرب دنیا کا 0 فیصد ہے۔ اس جغرافیائی اور انسانی کمی کے باوجود غزہ گذشتہ 8 سالوں سے اسرائیل کی جانب سے سخت محاصرے میں ہے۔ اور اس کے علاوہ تقریباً ہر 2 سال میں ایک بار صہیونی جارحیت پسندوں کی جانب سے اس پر حملہ کیا جاتا ہے۔

صرف ایک مواصلاتی راستہ جو غزہ کو دوسرے ممالک خصوصاً عرب دنیا سے ملاتا ہے وہ رفح کے نام سے سرحدی بندرگاہ ہے جو مصر کی سرحد پر واقع ہے۔ مگر اس 14 روزہ خونریز جنگ کے دوران مصری سرحدی فوج نے وہ راستے فلسطینیوں کے لیے بند رکھے۔ بعض استثنائی حالات میں مصر کی جانب سے کچھ خطرناک زخمیوں کی منتقلی کے دوران محدود وقت کے لیے یہ سرحد کھول دی جاتی ہے۔

تو پھر حماس کے مجاہدین کی کامیابی کا راز کیا ہے؟ کہ ان تمام مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود انہوں نے ایسا تاریخی کارنامہ انجام دیا جس کے کرنے سے ساری عرب دنیا عاجز ہے۔ فلسطین کی اسلامی تحریک حماس جن کے ہاتھوں میں غزہ کی سیاسی حکومت بھی ہے اپنی منظم تشکیلات کے باعث عرب دنیا میں سب سے زیادہ منظم اسلامی تنظیم ہے۔ جس کا سرمایہ ایسے تربیت یافتہ، باشعور، مخلص اور محب وطن کارکن ہیں جنہوں نے ہمیشہ قومی مصلحتوں کو ذاتی اور تنظیمی مفادات پر مقدم رکھا۔

وہ پورے شعوری انداز میں اپنے بنیادی قضیے "مسجد اقصیٰ کی آزادی" کا دفاع

کرتے ہیں۔ اسی کو اپنی جنگ کی بنیاد سمجھتے ہیں اور اپنی تمام تر 27 سالہ تاریخ میں اب تک اپنے اس نقطہ نظر سے ایک انچ بھی پسپا نہیں ہوئے۔

حماس کی بنیاد شیخ احمد یاسین نے 1987 میں رکھی۔ حماس کے موسس شیخ احمد یاسین اور ان کے قریبی ساتھی عبدالعزیز رانتیسی اپنے اسی نصب العین "مسجد اقصی کی دفاع اور فلسطین کی آزادی" کی راہ میں شہید ہو گئے۔

اس کے علاوہ دیگر رہنماوں کو اسرائیل کی جانب سے طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر ان کی جہادی پالیسی میں کوئی انحراف آیا ہے اور نہ پسپائی غزہ میں فلسطینی حکومت کے موجود سربراہ اسماعیل ہانیہ 2006 کے عام انتخابات میں حماس کی کامیابی کے بعد فلسطینی حکومت کے پہلے وزیر اعظم بن گئے۔ وہ اب بھی غزہ میں مجاہدین کے مزاحمتی امور کی نگرانی کر رہے ہیں۔ صہیونی قوتوں کے خلاف مزاحمت کی رہنمائی بھی ان کی جانب سے کی جاتی ہے۔

حماس کی کامیابی کے بنیادی عوامل:

حماس کے حکام اپنے وسائل اور وقت سے فائدہ اٹھا کر کوشش کرتے ہیں کہ علمی، تیکنیکی اور فوجی لحاظ سے خود کو مسلح کر دیں۔ انہوں نے اپنے تمام تر مشکل حالات کے باوجود تعلیم و تربیت، تعمیر نو، عسکری تیاری اور صحت کے امور پر اس قدر توجہ دی ہے کہ ان تمام معاملات میں اسرائیلی انتظامیہ سے مقابلہ کر رہے ہیں۔

انہوں نے اپنی اسی چستی اور بیدار مغزی کی وجہ سے 10 لاکھ ایسے میزائل تیار کر لیے ہیں جسے تباہ کرنے کی صلاحیت اسرائیلی دفاعی سسٹم کے پاس بھی نہیں۔ اور حماس کے مجاہدین ان میزائلوں کے ذریعے اسرائیلی دارالحکومت تل ابیب کو بھی نشانہ بنا سکتے ہیں۔

انہوں نے وسائل کی کمی کے باوجود ایسے انٹیلیجنس اور جنگی ڈرون طیارے ایجاد کیے ہیں جس کے ذریعے اسی جنگ میں انہوں نے تل ابیب شہر میں وزارت دفاع کے دفتر کے نقشے کی عکاسی کی اور بحفاظت غزہ تک واپس لوٹا۔ انہوں نے ایسے کمانڈوز کی تربیت کی ہے جنہوں نے زمین، سمندر اور ہوا میں صہیونی اہداف کو کامیاب حملوں کا نشانہ بنایا۔ انہیں بھاری نقصان پہنچانے کے بعد کامیابی سے غزہ لوٹ آئے۔ اب بھی حماس کے ایجاد کردہ میزائل نے غزہ سے 120 کلو میٹر کے فاصلے سے اسرائیلوں کے ہر مرکز کو بآسانی نشانہ بنا سکتے ہیں۔ صحت کے امور میں انہوں نے ایسی کامیابی حاصل کی ہے کہ غزہ کی خوانخوار جنگ کے تمام زخمیوں کا علاج غزہ کے اندر ہی ہوا۔

غزہ میں بجلی اور پانی پہنچانے کا نظام اسی طرح فعال رہا۔ کسی بمباری میں اگر کہیں سسٹم میں خرابی آتی ہے تو بھی فوراً ٹھیک کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح الیکٹرانک میڈیا میں انہوں نے اتنی ترقی کی ہے کہ صہیونی ٹی وی ویب سائٹوں پر حملے کر کے انہیں ہیک کر دیتے ہیں۔ اور پھر وہیں سے عبرانی زبان میں صہیونیوں کے خلاف مہم چلاتے ہیں۔

خالد مشعل {جو کہ فلسطین سے باہر سیاسی دفتر میں مقیم ہیں} کے علاوہ حماس کی ساری فوجی، سیاسی اور عوامی قیادت غزہ میں اپنی عوام کے ساتھ رہتی ہے۔ اور جو مشکلات وہاں کے عوام پر آتی ہیں اس کا سب سے پہلے وہ لوگ سامنا کرتے ہیں۔ حماس کے حکام اپنی عوام میں بہت زیادہ گھلے ملے ہیں۔ یہاں تک کہ غزہ اور فلسطین کے ہر کونے اور ہر علاقے میں صہیونی جارحیت پسندوں کی جانب سے پہنچائے جانے والے نقصانات سے خود کو باخبر رکھتے ہیں۔ اور اس کے متعلق ذرائع ابلاغ سے براہ راست گفتگو بھی کرتے ہیں۔ اور اپنی گفتگو میں حادثہ کی جگہ، قربانیوں اور حادثے کی دیگر جزئیات کے متعلق تفصیلات دیتے ہیں۔ گویا کہ وہ لوگ خود جائے وقوعہ پر کھڑے ہیں اور رپورٹ دے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر الخلیل شہر میں صہیونی قوتوں اور صہیونی جوانوں نے محمد خضیر نامی ایک 16 سالہ نوجوان کو زندہ جلا کر شہید کر ڈالا۔ اس حوالے سے فلسطینی جوانوں نے اسرائیلیوں کے خلاف مظاہروں کا آغاز کر دیا۔ حماس کے سیاسی دفتر کے رہنما خالد مشعل نے اس حوالے سے خصوصی پریس کانفرنس بلائی اور اس میں محمد خضیر کے خاندان سے خصوصی ہمدردی کے اظہار کے ساتھ صہیونی قاتلوں کی جانب سے ان کی شہادت اور مظلومیت کے پورے حادثے کا ذکر کیا۔ محمد خضیر شہید کے خاندان، متعلقہ قبیلے اور ان کے والدین سب کا نام لے کر ان کی بہادری اور شجاعت کا ذکر کیا اور اس بچے کو سارے فلسطین کا مظلوم شہید قرار دیا۔

اس کے بعد اسماعیل ہانیہ نے جنگ کے 14ویں روز متعلقہ ٹی وی چینل الاقصی سے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے گذشتہ 13 سالوں میں جو بڑے واقعات ہوئے سب کا پوری تفصیل سے ذکر کیا۔ اور جن خاندانوں کے زیادہ افراد بمباریوں میں شہید ہو گئے تھے ان سب خاندانوں کا نام لے کر ان کی قربانیوں اور سرفروشیوں کا ذکر کیا۔

اسی طرح اسماعیل ہانیہ نے اپنے پہلے ٹی وی خطاب میں غزہ پر صہیونی جارحیت پسندوں کے حملے کی مناسبت سے اس فلسطینی لڑکی کی غیرت کا

VAY

خصوصی تذکرہ کیا جس نے اپنے شوہر کو شہادت کی مبارکباد دے کر راہ جہاد میں اس کی پیروی کا عہد کیا۔ یہ وہ فلسطینی لڑکی تھی جس کی شادی کو ایک مہینہ باقی تھا مگر اس کا شوہر حماس کے مجاہدین کے ایک گروپ میں صہیونیوں کے ہاتھوں ایک حملے میں شہید ہو گیا۔ اس نوجوان کی اہلیہ نے انتہائی بلند حوصلے سے اپنے خاوند کو شہادت کی مبارکباد دی اور اپنی انقلابی باتوں میں اس بات کا عہد کیا کہ جہاد میں وہ بھی اپنے شوہر کی پیروی کرے گی۔

حماس کے صف اول کے حکام کی جانب سے اپنے عوام کے عام واقعات کا تذکرہ اور ان میں فلسطینی عوام کی قربانیوں اور شجاعتوں کا ذکر بھی وہ چیز ہے جس نے صہیونیوں کے مقابلے میں ان کا حوصلہ بلند رکھا ہوا ہے اور ان کا اپنی قیادت پر اعتماد اور بھی پختہ ہوتا جاتا ہے۔

حماس کے مجاہدین کی کامیابی کا دوسرا راز یہ ہے کہ انہوں نے عسکری، سیاسی، انتظامی اور مطبوعاتی تمام امور کے لیے ایسے پیشہ ور ماہرین، غیور طبع اور علمی اشخاص کا تقرر کیا ہے جن میں سے ہر ایک ہر طرح کے حالات میں انتہائی مناسب طریقے سے اپنی ذمہ داری نبھانے کے ساتھ ساتھ اپنے حلقہ کار میں حماس کے جہادی موقف کا انتہائی مناسب طریقے سے دفاع کرتا ہے۔ اگرچہ جگہ کے اعتبار سے وہ ایک دوسرے سے بہت دور اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت الگ ہوتے ہیں مگر باتوں اور موقف کی ترجمانی میں سب کی رائے ایک ہوتی ہے۔ ایک ہی فیصلہ اور ایک بات کرتے ہیں سب۔ ایسا لگتا ہے جیسے ان سب کی باتیں ایک مرجع سے صادر ہوتی ہیں۔ ہر ایک اپنی باتوں، معلومات، معاملے کی وضاحت اور موقف کی ترجمانی میں انتہائی کامیاب رہتا ہے اور فصاحت، بلاغت اور اعتماد سے ہر چیز کی تشریح کرتا ہے۔

چونکہ ان کی مزاحمت اور فعالیت کا سارا حلقہ غزہ کے اندر ہے اس لیے انہوں نے اپنے عوام کے ذہنوں اور ان کی نظریات پر اتنا کام کیا ہے کہ جب بھی غزہ کے حوالے سے وہ اپنا موقف پیش کرتے ہیں ہر عمومی شہری، یونیورسٹی لیکچرر، ڈاکٹر، دکاندار، مزارع، بوڑھے جوان، مرد و عورت سب کی زبان پر وہی موقف ہوتا ہے۔ ذرائع ابلاغ سے بعینہ وہی الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جو ان کے رہنماؤں کے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ غزہ میں کام کرنے والے عالمی نشریاتی اداروں کے نمائندے بھی جب اپنے اداروں کی جانب سے رپورٹ دیتے ہیں تو اس انداز سے دیتے ہیں جیسے وہ رپورٹ حماس کے دفتر سے دی جا رہی ہے۔

مثال کے طور پر الجزیرہ ٹی وی کے غزہ میں تین نمائندے ہیں۔ دو مرد اور ایک خاتون۔ مرد نمائندوں کے نام تامر السحال اور وائل الدحدوح ہیں۔ دونوں نمائندے اپنی عوام کے موقف کا دفاع اور عوام کی نمائندگی اتنے اعتماد اور پختگی سے کرتے ہیں جیسے وہ حماس کے باقاعدہ ترجمان ہوں۔

یہ لوگ صہیونیوں کی شدید بمباری کی دوران بمباری کی جگہ پر پہنچتے ہیں اور براہ راست ان بچوں، خواتین اور عام لوگوں کی باتیں اور مناظر الجزیرہ ٹی وی چینل کے ذریعے دنیا کو دکھاتے ہیں جو اسرائیلی بمباری کا نشانہ بنتے ہیں۔ اسی طرح "وعبہ عکیلہ" نامی خاتون نمائندہ بھی ان مرد نمائندوں کی طرح بمبار شدہ گھروں اور زخمی ہونے والے فلسطینی خواتین اور بچوں کی زندہ تصویریں اس انداز سے نشر کرتی ہیں کہ جس سے صہیونی حکومت اور ان کی کرتوتوں کے خلاف لوگوں میں سخت نفرت پھیلتی ہے۔

مذکورہ صحافی اس حد تک حماس کی حامی اور ان سے متاثر ہیں کہ غزہ کی 14 روزہ جنگ میں اب تک شہید ہونے والے ایک مجاہد کی بھی تصویر نشر نہیں کی۔ بلکہ لائیو رپورٹوں میں عام لوگوں خصوصاً بچوں اور زخمی ہونے والے خواتین کے حالات پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

غزہ میں الجزیرہ سے وابستہ صحافی اس حد تک اپنے عوام اور حماس کے موقف کے حامی ہیں کہ 22 جولائی کو صہیونی حکومت کے وزیر خارجہ لیبرمین نے مذکورہ چینل پر حماس کی حمایت کا الزام لگا کر غزہ میں الجزیرہ کے دفتر پر فضائی بمباری کر دی۔

حماس کی یہ امتیازی خصوصیات، الاقصی کے کے عالمی اسلامی موقف کی شرعی دفاع، تنظیم کی قیادت میں باخبر اور تجربہ کار افراد کی موجودگی یہی وہ سب امتیازات و خصوصیات ہیں جس نے اس تنظیم کو قوی دشمن کے خلاف فتح بخشی ہے۔ اور رواں لڑائی میں ان کی ساری فوجی، دفاعی اور انٹیلی جنس قوت کو چیلنج کر دیا ہے۔

عالمی سطح پر جہادی تنظیموں اور جہادی قائدین کو حماس کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ان کے کاموں پر نظر رکھے اور انہیں طریقوں کا استعمال کرتے ہوئے دشمن کے خلاف مضبوطی سے کھڑے ہوں۔

معاشرہ جرائم سے کیسے پاک ہو؟

عبداللہ

زمین کے جس کسی خطے میں انسان بس رہے ہوں، وہاں قسم قسم کے جرائم اور جھلسا دینے والی کڑکتی دھوپ بھی پڑتی ہے اور شریفانہ طرزِ زندگی کی راحت پہنچانے والی ٹھنڈی ہوائیں بھی۔ دنیا کی اس چار دن کی فانی زندگی کو امن وامان اور چین و قرار کے ساتھ بسر کرنا ہر شریف آدمی کی چاہت ہوتی ہے۔ وہ اپنے سکون واطمینان کی درازیِ عمر کے لیے چاہتا ہے کہ اس معاشرے میں سلگتے جرائم کی آگ برساتے آفتابوں کو جلد از جلد غروب کردیا جائے۔ اور امن و راحت کی ٹھنڈی اور پرسکون روشنی مہیا کرتے ماہتابوں کی بھرپور پذیرائی کی جائے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب کسی پاکیزہ معاشرے کو اپنی بقا کے لیے ایسے اداروں کی سخت ضرورت ہوتی ہے، جو اس کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لیے جدوجہد کریں۔ اس نازک موڑ پر مجرموں کی اصلاح کے لیے کسی بھی مہذب اور مذہبی ریاست میں عموماً دو راستے اپنائے جاتے ہیں۔ ایک جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، یعنی خوفِ خدا، فکرِ آخرت اور اخلاقیات کا درس دیا جاتا ہے۔ دوسرا جرائم کی مناسبت سے وضع کردہ قوانین کے نفاذ کا اجراء ہوتا ہے۔

طب یونانی کے فلسفے کی رُو سے دیکھا جائے، تو یہ بات سمجھ آتی ہے کسی بھی مجرم کو قانون کی زد میں لانے کا سے بہتر یہ ہے کہ مذکورہ بالا پہلے طریقے کے مطابق شروع ہی سے اس کی تربیت اس نہج پر کی جائے کہ وہ کوئی ایسا غیر تہذیبی، غیر مذہبی اور غیر معاشرتی کام ہی نہ کرے، جس سے اس کی گردن قانون کے لمبے ہاتھوں میں جکڑی جائے۔ ہم سب پر فرض عائد ہوتا تھا اور ہے کہ ایسے کسی بھی کام کی مذمت، حوصلہ شکنی اور بہ زور طاقت روک تھام کریں، جو معاشرے میں فساد اور بگاڑ کا سبب بنے۔ گویا دوسرے لفظوں میں پرہیز کا پلہ تھاما جائے اور علاج کی نوبت ہی نہ آنے دی جائے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہو رہا۔ الٹا بے ہودہ افعال کے بارے میں روک لگانے والا مذہب ہی بدنام کیا جانے لگا ہے۔ خدا کی طرف سے نازل کردہ ابدی دینِ اسلام کو یہ کہہ کر خاک میں ملایا جانے لگا کہ "یہ موجودہ زمانے کے زمینی خداؤں کا غرور خاک میں ملاتا ہے۔" مرنے کے بعد جس رب کو جواب دینا ہے، اس کی معرفت، فکرِ آخرت اور حسنِ معاشرت کی تعلیم دینے والے اداروں پر ناروا پابندیاں لگا کر کھلے بندوں اظہار بیزاری کیا گیا۔ جس سے مسلم معاشروں میں نمونۂ عبرت بننے والے روس کی سی صورت حال پیدا ہو رہی ہے اور یورپی و امریکی ثقافت کے رنگ چھا رہے ہیں۔ لوگ مومن کے بعد مسلمان ہوئے اور پھر نام نہاد مسلمان بن کر رہ گئے ہیں۔ خدا کے بجائے مادے کی پوجا شروع ہوئی۔ جدت پسند، مذہب کے پیروکاروں پر قدامت پسندی کا لیبل چسپاں کر کے ایسے غیر جانبدار بنے کہ انھیں خود کو لبرل کہلوانا پسند ہے۔ خزینۂ اخلاق کا دیوالیہ نکالا گیا۔ خوفِ خدا کے نام سے ناواقفیت کا اظہار کیا گیا اور آخرت کو اگلے وقتوں کی کہانی قرار دے کر پس پشت ڈال دیا۔ نتیجتاً مادی چکاچوند سے اتنے متاثر ہوئے کہ آخری آرام گاہ کے اندھیروں سے بے خوف ہو کر فلم انڈسٹریاں قائم کیں، پھر قحبہ خانے وجود میں آئے۔ شراب کی بھٹیاں چلنے لگیں۔ رشوت کا بازار گرم ہوا۔ اور زر، زن اور زمین کے جھگڑے کھڑے ہوئے۔ جب قانون کے نفاذ کا وقت آیا ہے، تو اس کی ذمہ داری ان لوگوں کو سونپی جاتی ہے، روحانیت اور ضمیر کا جنازہ نکلنے کے بعد جن کا ماٹو ہی پیسہ پھینک تماشہ دیکھ ہے۔

اگر آپ دنیا کی تاریخ کھنگال کر ایسے قابل تقلید معاشروں کے حسین مناظر دیکھیں، جہاں امن کا بول بالا تھا۔ قتل وغارت گری نہ ہونے کے برابر تھی۔ شراب وکباب کے کلچر کا بالکل وجود نہیں تھا اور ہر قابل نفرت اور غیر اخلاقی کام ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ وہاں آپ کو اس کی ایک بڑی وجہ صرف اور صرف خوفِ خدا، فکرِ آخرت اور اخلاقیات ہی کار فرما نظر آئیں گی۔ ایسے معاشروں میں قانون کی ثانوی حیثیت ہوتی ہے۔ ان مواقع پر اگر آدمی غور کرے، تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ قانون، اخلاق کا متبادل ہے۔ جب کسی ریاست میں قانون... اخلاق کا متبادل بن جائے، تو اس کا واضح مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہاں اخلاقی زوال اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ اخلاق کی قوت ختم ہو گئی ہے اور اب لڑکھڑاتے معاشرے کو قانون کی بے ساکھیوں کے سہارے قائم رکھا ہوا ہے۔ جو تاثیر مذہب اور اخلاق میں ہوتی ہے، قانون میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ اس لیے کہ یہ انسان کے شرارتی اور فساد پسند نفس، گندے مزاج، جرائم پیشہ عادات اور بے ہودہ رویوں کو درست نہیں کر سکتا اور نہ ہی لوگوں کو اچھا بنا سکتا ہے۔ البتہ انھیں نہایت محدود سطح پر برائی سے روک سکتا ہے۔ اور یہ بھی اس وقت جب جرم اس کی پکڑ میں آجائے اور اس جرم کو قانونی حیثیت اور سند بھی حاصل نہ ہو۔

گزشتہ سو سالوں میں جتنے قوانین مغرب میں وضع اور نافذ کیے جانے کا کام ہوا ہے، دنیا کی اکیس تہذیبوں میں سے کسی میں بھی اتنا کام نہیں ہوا۔ وجہ صاف ظاہر ہے، جب سے انہوں نے برق اور بھاپ ہی کو آسمانی باپ سمجھ رکھا ہے

اور کلیسا کے روزن سے جھانکنے کے بعد اسے بالکل ہی بھلا دیا ہے، تب سے وہ اتنے مذہب بے زار ہوئے ہیں کہ خدا کا خوف، فکر آخرت، اخلاقی قدریں، خاندانی دباؤ (جو کہ مشرق میں ایک ممتاز حیثیت کا حامل ہے) اور تہذیب و مذہب کی قوتیں ان کے ہاں لایعنی ہیں۔ نتیجتاً اصلاح، تعمیر اور تہذیب نفس کا سارا عمل قانونی اور سائیکاٹرسٹ کے ہاتھوں میں ہے۔ باوجود اس کے کہ وہاں ہر وقت کیمرے کی آنکھ انسان کو گھورتی رہتی ہے، پھر بھی وہاں ماں باپ، بھائی بہن، اور چچا اپنے گھر کے دو تین سالہ بچوں اور بچیوں کے ساتھ جبراً جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ چوری، ڈاکے، قتل و غارت گری، جبر آزنا اور ہم جنس پرستی کی شرح بلندیوں کو چھو رہی ہے۔ یہ محض الزام تراشی نہیں، حقیقت ہے۔ کتے بلیوں تک کے حقوق کے قانون والے ان "تحقیقی معاشروں" کے اعداد و شمار آئے روز اخبارات اور نیٹ کی زینت بنتے رہتے ہیں۔

اسلام کے نام لیوا کوئی بھی اپنے ہاں سے اگر جرائم کی شرح کم نہیں، بلکہ ختم کروانا چاہتے ہیں، تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ فلم انڈسٹریاں بند کر دی جائیں، جنہوں نے مذہب اور معاشرے دونوں کو تباہ کر دیا ہے۔ جہاں کی عریانی نے چمنِ اخلاق کو بد اخلاقی کی خزاں کے حوالے کر دیا ہے۔ ان ہی کی وجہ سے تو مار دھاڑ، اوچھی حرکات، شرم ناک سکنات اور خدا کے عذاب کو دعوت دینے والے زنا جیسے جرائم پیدا اور عام ہوتے ہیں۔ یہی سستا زنا تو نکاح کے مقدس عمل کو مہنگا کر کے خاندانی شیرازہ بکھیرنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اسی زنا نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو 'قوم جبارین' (جو کہ شام میں مقام بلقاء کی رہنے والی تھی) سے شکست دلوائی تھی۔ اور عذاباً طاعون کی وبا پھیلی، جس سے دن کے کچھ ہی حصے میں 70 ہزار بنی اسرائیل رزقِ خاک ہو گئے تھے۔ دنیا میں آنے والے تباہ کن زلزلوں کا ایک سبب یہ کھلا زنا بھی ہے۔ یہ اللہ کے ہاں انتہائی مبغوض اور ناپسندیدہ ترین عمل بد ہے۔ اگر خدائے قہار و جبار کے عذاب سے بچنے کا ارادہ ہو تو ہر جگہ موجود قحبہ خانے بند کروا دیے جائیں۔ علاوہ ازیں مے خانے بھی سیل کر دیے جائیں، جو تمام چھوٹی بڑی برائیوں کی پیدائش کے لیے مملوکہ لونڈی کا کردار ادا کرتے ہیں۔ "الخمر جماع الاثم"۔ شراب، برائیوں کی جڑ ہے۔ رشوت کے بازار بھی ختم کروائے جائیں۔ جنہوں نے ہر رشوت لینے اور دینے والے مسلمان کو جہنم کے کنارے پہنچایا اور جعلی ڈگریوں کو وجود دیا ہے۔ "الراشی والمرتشی کلاھما فی النار"۔ رشوت لینے اور دینے والا، دونوں جہنمی ہیں۔

مسلمانوں کو جان لینا چاہیے کہ مہذب معاشروں میں ان بناوٹی قوانین کے علاوہ ایک اصل، اعلیٰ اور طاقت ور قانون بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ نفس کو قابو میں رکھا جائے۔ اسے شریعت کی جانب سے متعینہ حدود میں مقید رکھا جائے۔ بہ خدا! اگر موجودہ منکرات کو تہذیبی، روحانی اور اخلاقی تربیت کرنے والے مذہبی اداروں کے مدمقابل نہ کھڑا کیا جائے، تو یقیناً آج امت مسلمہ کو موجودہ ناگفتہ بہ صورت حال سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ کیوں کہ مذاہب انسان کے قلب و نفس پر دستک دیتے ہیں۔ اس کی روح کو زندہ و بیدار کر کے اس کے جسمانی و مادی وجود کو ایک اخلاقی و روحانی پیکر میں ڈھال دیتے ہیں۔ وہ فکر کو پاکیزہ بنا دیتے ہیں۔ آخرت اور موت کے سوالات کو اہم ترین بنا کر اس کی زندگی کا رخ قانون کی طاقت کے بغیر آخرت کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ جس سے انسان خود اپنا کڑا محاسبہ کرتا ہے۔ چھوٹی موٹی غلطیوں پر خدا سے معافی مانگتا ہے۔ اور شریعت و ملکی قوانین کی خلاف ورزی پر صحراؤں اور جنگلوں میں چھپ نہیں جاتا اور نہ ہی قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اپنے تک پہنچنے کی زحمت دیتا ہے، بلکہ خود چل کر اپنی گردن قانون کے لمبے ہاتھوں میں دیتا ہے۔ اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈلواتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسالتِ مآب علیہ السلام کی سرکار میں ایک خاتون ناجائز حمل کے اعتراف یعنی زنا کے اقرار کے بعد سزا کی طالب ہوئیں، تو آپ نے فرمایا کہ: "بچے کی پیدائش تک توقف کرو۔" بچہ پیدا ہو گیا تو وہ خاتون دوبارہ آئی۔ ارشاد فرمایا: "جب تک ہاتھ سے کھانے کے قابل نہ ہو، تب تک توقف کرو۔" جب بچہ ہاتھ سے کھانے کے قابل ہو گیا تو وہ خاتون دوبارہ تشریف لائیں، تب آپ ﷺ نے حدِ رجم جاری فرمائی۔ اس پورے واقعے میں نہ عدالت ہے نہ ہتھکڑی ہے۔ زنجیر ہے، نگرانی ہے اور نہ ہی پولیس کی پکڑ دھکڑ ہے۔ بلکہ ایک ایسا تربیت کیا ہوا اخلاقی و روحانی پیکر موجود ہے، جو ٹالنے کے باوجود بار بار خود کو سزا کے لیے پیش کر رہا ہے۔ تاکہ دنیا ہی میں پاک ہو کر اللہ کی بارگاہ میں آخرت کی دائمی سزا سے بچ جائے اور معاشرے کو اس فعل بد کے انجام سے روشناس کرا کر متنبہ کرے۔

بہ ہر حال آج کے مسلم معاشروں کو اپنی بقا منظور ہے اور ذرا سا بھی خدا کا خوف ہے، تو قانون پر عمل درآمد کروانے کے ساتھ ساتھ اس قوم کی اخلاقی تربیت کروانا انتہائی ناگزیر ہے۔ بہ خدا! اگر ان بنیادی برائیوں کو بند کر لیا گیا، تو میں یقین اور دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ پھر قتل، فساد دنگا، تخریب کاری اور انواع و اقسام کے تعصبات کے ساتھ ساتھ بیسیوں جرائم خود بہ خود بند ہو جائیں گے۔ تب اس خزاں رسیدہ چمنِ حیات میں سکون و اطمینان کی بہار آئے گی۔ امن کی فاختائیں اڑیں گی اور آپس میں پیار، محبت اور الفت کی آبشاریں بہیں گی۔

★★★

تاریخی عالمی دہشت گرد

عبدالرحمٰن

نام نہاد دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی برپا کردہ صلیبی جنگ دھیرے دھیرے اپنے منطقی انجام کو پہنچ رہی ہے۔ امریکہ کو ہمیشہ سے یہ غرور اور زعم رہا ہے کہ وہ کائناتِ رنگ و بو میں امن کی بہاریں لانے کے لیے فوجی طاقت کا استعمال کر سکتا ہے۔ اس ظالم کی پوری تاریخ، ایسے ہی کھوکھلے نعروں سے بھری پڑی ہے۔ ریڈ انڈینز کی بے مہابا قتل عام سے لے کر آج کے افغانستان تک... ہمیں یہی کچھ دکھائی دیتا ہے۔ امریکہ کی حالیہ افغان جنگ نے پوری دنیا کی اقوام کو شدید طرح سے متاثر کیا ہے۔ افغانستان تو ویسے ہی نشانے پر ہے... بہ قول شاعر

چلتی بندوق کے ہم دہانے پہ ہیں
ہم کو معلوم ہے ہم نشانے پہ ہیں

جب کہ دیگر کئی مسلم ممالک غیر اعلانیہ طور پر امریکی جارحیت کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس میں اگر ظالمانہ سیاہ کردار کا طعنہ... امریکہ کو دیا جا سکتا ہے، تو خود کو تا مرگ مکروہ مظلومانہ طرزِ حیات پر راضی کر لینے کا الزام بجائے خود مسلم ممالک کو بھی دیا جانا چاہیے۔ ان کی آپسی ناچاقیاں، عدمِ اتحاد اور مرعوبانہ ذہنیت نے آپ ﷺ کی امت کو جتنا نقصان پہنچایا ہے، امریکہ اور تمام کافر ممالک ایڑی چوٹی کا زور بھی لگا لیں تو وہ مسلمانوں کو اس ناگفتہ بہ صورتِ حال سے ہر گز دوچار نہیں کر سکتے ہیں۔ حقیقت پسندی سے لیا گیا جائزہ یہی بتاتا ہے۔ جب کہ اس جائزے کی خوب خوب ترجمانی ایک شاعر نے کچھ یوں کی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے.....

میں دشمن کو بھلا الزام کیوں دوں
اگر وہ ظلم مجھ پر کر گیا ہے
مجھے لازم ہے ہر دم ہوشیاری
اسے لازم سوائے ظلم کیا ہے

بہ ہر کیف! آج اس امریکہ کے اپنے عوام بھی افغانستان کے خلاف بھڑکائی گئی جنگی آگ سے جلن محسوس کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس ظالمانہ و ناجائز جنگ کے خلاف اپنے رویے کا اظہار کیا ہے۔ وہ اظہارِ بے باک اُن امریکی پٹھوؤں کی دانستہ بند آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے، جو اپنے گورے آقا کو انصاف پسند، امن کی شمع بردار اور محبت کی دل نشین ہوائیں چلانے والا خیال کرتے ہیں۔ جو ان کی ہر غلطی کو اپنے سر لے کر غلامی کی حدِ غیرت کی دیوار پھاند جاتے ہیں۔ ایک حالیہ گیلپ سروے میں امریکی شہریوں نے اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ... "امریکہ، عالمی سلامتی کے لیے خطرناک ترین ملک بن گیا ہے۔" جب کہ حیران کن طور پر امریکی عالمی دہشت گرد حکومت بزعم خویش ایک بہت سنجیدہ، حکمت و تدبر اور امن عالم کا استحکام چاہنے والا ملک ہے۔ لیکن اگر اس کی تاریخ کا سرسری سا مطالعہ بھی کر لیا جائے تو ایسے تمام اندھے اعتقادات یکسر ختم ہو جاتے ہیں، جو غلام ذہنوں کو امریکی انصاف کی پٹیاں پڑھاتے ہیں۔ برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد سے لے کر آج تک امریکہ نے اپنے مذموم مفادات کی خاطر کئی بے گناہ ممالک پر ناجائز چڑھائی کی ہے۔ جب کہ ایک تحقیق کے مطابق دوسری جنگِ عظیم کے بعد 20 سے زاید ممالک اس ظالم کے ظلم ناروا کی چکی میں پس چکے ہیں۔ امریکہ نے 1945-46 میں چین کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ 1950-53 تک کوریا کو روندتا رہا ہے۔ 1958 میں انڈونیشیا کو تباہی سے دوچار کیا تھا۔ 1959-60 میں کیوبا کو اپنی دہشت گردانہ ہوس کا نشانہ بناتا رہا تھا۔ 1960 میں اس جابر نے گوئٹے مالا کو کھنڈرات میں بدل دینے کے لیے درندگی کا لباس پہنا تھا۔ 1961-73 تک ویت نام کو درندگی کا نشانہ بناتا رہا۔ 1964 میں کانگو کو ویرانی سے آشنا کرنے کے لیے اپنی شیطنت کو بروئے کار لایا تھا۔ 1964-73 تک اس عالمی دہشت گردنے

لاؤس کو اپنی دہشت کی لپیٹ میں لیے رکھا تھا۔ 1965 میں پیرو میں بمباری کر کے کئی مظلوموں کو بے گناہی کی موت سے دوچار کیا تھا۔ 1969-70 کے عرصے میں کمبوڈیا کی بربادی کے لیے غیرت کی تمام حدود پھلانگتے ہوئے سرکشی میں مبتلا رہا تھا۔ 1980 میں السلواڈور کو تباہ کرتا رہا تھا۔ 1980 ہی میں نکاراگوا بھی اپنی خونی طبیعت کی بھینٹ چڑھاتا رہا تھا۔ 1983 میں گرینیڈا میں اپنا شوقِ ستم پورا کرتا رہا۔ 1984 میں لبنان کا امن پارہ پارہ کرتا رہا۔ 1986 میں لیبیا میں طغیانی و قتل و غارت گری کی بارش برساتا رہا۔ 1989 میں پانامہ میں اپنے جنونِ ظلم کی تسکین کرتا رہا تھا۔ 1991-99 اور پھر 2003 سے خروج تک عراق کے لوگ امریکی فوج کے ہاتھوں دل دہلا دینے والی موت کا شکار ہو کر ابدی نیند سو چکے ہیں۔ 1998 میں اس نے سوڈان کو اپنے مفادات کی بھٹی میں جھونکا۔ 1998 اور پھر 2001 سے تاحال افغانستان کو اسلامی ملک ہونے کی سزا دے رہا ہے۔ 1999 میں اس بدمعاش نے یوگوسلاویہ میں ناجائز خون کے دریا بہا کر ایک کہرام اُٹھا دیا تھا۔

جب کہ امریکی سیاسی برتری کے ناجائز استعمال کی کہانی تاریخ کے سینے میں کچھ انوکھے انداز سے رقم ہے، چھوٹے اور ترقی پذیر ممالک کی اندرونی سیاست میں امریکہ کی غاصبانہ دخل اندازیوں کی اندوہ ناک تاریخ ایک صدی پر محیط ہے۔ 1898-1910 تک اسپین سے جنگ کے دوران امریکی فوجوں نے فلپائن میں دراندازی کرتے ہوئے 6 لاکھ افراد کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ 1901-14 میں پانامہ کے عوام نے کولمبیا سے آزادی کا مطالبہ کیا تھا، تب امریکہ نے انقلابیوں کو مدد فراہم کرنے کے بہانے سے "نہر پانامہ" کی تعمیر کے ابتدائی دنوں ہی سے اس پر اپنا ناجائز سیاسی قبضہ جما رکھا ہے۔ 1914-34 تک ہیٹی میں انقلابِ دوراں کے آتے ہی اس پر امریکی فوجوں نے قبضہ جما لیا تھا۔ اور اگلے 19 سال تک اس قبضے کی تہہ میں لاشوں کے انبار لگاتی رہی تھیں۔ 1917-33 میں امریکہ نے کیوبا میں دخل اندازی کی اور اگلے 16 سال تک وہاں ظلم کی جاں سوز ہوائیں چلاتا رہا تھا۔ 1918-22 میں روس میں بالشویکی انقلاب کے فوراً بعد امریکہ نے پانچ مرتبہ وہاں ظلم کی رسیا اپنی فوجوں کو غارت گری کے لیے اُتارا تھا۔ 1922 میں امریکہ نے ترکی کے شہر 'سمرنا' میں جنگ کی آگ جلا کر کئی لوگوں کو ایک اندھی موت کی نذر کر دیا تھا۔ 1927-34 میں امریکی کمانڈوز نے چین میں دہشت گردی کی خاطر دخل اندازی کی اور اگلے 7 سال تک وہاں درندگی کا مظاہرہ کرتے رہے تھے۔ 1941-45 میں دوسری جنگِ عظیم کے عرصے میں امریکی فوجوں نے جرمنی، اٹلی اور جاپان کے خلاف اپنا دہشت گردانہ ننگا پن شو کیا تھا۔ 1946 میں امریکہ کے ایک لڑاکا طیارے کی جانب سے یوگوسلاویہ کی سرحدی فضائی حدود کی خلاف ورزی کیے جانے پر جب اس طیارے کو زبردستی اتارا گیا تو امریکی بحریہ نے "چوری اور پھر سینہ زوری" کا بھرپور ثبوت دیتے ہوئے یوگوسلاویہ کی ساحل کا محاصرہ کر لیا۔ 1948 میں امریکی

> یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک مسلمان باہم مل نہیں جاتے، خصوصاً مسلمانوں کا یوں قتل عام ہوتا رہے گا۔ فلوجہ جلتا رہے گا اور ہم اپنے کمروں میں سوتے رہیں گے۔ فلسطین سسکتا رہے گا، ہم اپنے کھیتوں میں کی کاشت کاری میں مست رہیں گے۔ کشمیر تڑپتا رہے گا، ہم بنیے کی چانکیہ سیاست کے اسیر ہو کر رام رام کی گردان کرتے رہیں گے۔ ہم جہاد کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالتے رہیں گے۔ نہ ہم کچھ کریں گے، نہ وہ کچھ کریں گے۔ اور نبی الملاحم ﷺ کی امت یوں ہی تڑپتی رہے گی۔ لیکن کوئی ایوبی اسے نہیں مل پائے گا۔ کوئی طارق اس کے خوابوں میں بھی نہیں آئے گا۔ کوئی معتصم دکھائی نہیں دے گا۔ ......کوئی ہے جو امریکہ کا شوقِ ستم برباد کرے... کہ... آج اس سے بڑھ کر کوئی اہم کام نہیں ہے؟؟؟

فوج نے 444 دن تک جرمنی کے دارالحکومت برلن کے گرد محاصرہ کیے رکھا۔ 1953 میں امریکن سی آئی اے نے ایران میں اپنے مذموم مفادات کی خاطر سازشیں کرکے مصدق کی منتخب حکومت کا تختہ الٹوایا اور شاہِ ایران رضا شاہ پہلوی کی حکومت کو مضبوط کیا۔ 1950-75 کے طویل عرصے تک ویت نام میں جنگ کے شعلے بلند کرکے وہاں کی انسانی آبادی کو راکھ کا ڈھیر بناتا رہا تھا۔ 1973 میں سی آئی اے نے چلی کے مقبولِ عام صدر ریولنڈے کو قتل کروایا اور جنرل پوشے کی فوجی حکومت کو قیام میں مدد فراہم کی۔ 1981 میں امریکی ایئر فورس نے لیبیا کے 2 طیارے مار گرائے۔ 1982-84 کو لبنان میں خانہ جنگی کی وجہ سے امریکی فوج اتاری گئی، جس میں سے 241 فوجی ہلاک ہوگئے۔ 1984 میں امریکی لڑاکا طیاروں نے 2 ایرانی جہازوں کو خلیج فارس میں مار گرایا۔ 1986 میں لیبیا کے دارالحکومت طرابلس اور آس پاس کی آبادی پر امریکی طیاروں نے اندھا دھند بمباری کرکے کئی جانوں کو بے جان کر کے رکھ دیا۔ 1989-90 کے عرصے میں پانامہ کے صدر نوریگا کا تختہ الٹنے کے لیے 27 ہزار امریکی فوجی داخل ہوئے اور 2 ہزار شہری بلاوجہ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ 1990-91 میں امریکہ نے عراق سے لڑنے کے لیے سعودی عرب میں اپنی ناپاک فوجوں کو داخل کروایا۔ 1991 میں کویت سے عراقی فوجوں کو نکالنے کی ٹھیکے داری کے بہانے امریکہ نے وہاں اپنے لیے ایک مستقل فوجی اڈا بنالیا، جو اب تک برقرار ہے۔ 1992-94 میں امریکی فوج نے صومالیہ میں پیدا ہونے والی خانہ جنگی کے دوران کئی خونی کاروائیاں کرکے بے شمار لوگوں کو درندگی سے مار ڈالا۔ 1993-95 میں امریکہ نے بوسنیا کے نوفلائی زون کے اندر بمباری کرکے ظلم کی ایک نئی تاریخ رقم کی تھی۔ 1998 میں سوڈان میں واقع ایک دواساز فیکٹری کو صرف اس شبہے کی بنیاد پر میزائل باری کرکے ملیامیٹ کر دیا کہ وہ کیمیائی ہتھیاروں کی تیاری میں مصروف ہے۔ (قارئین کے لیے یہ تمام اعداد و شمار ایک انگریز مصنف William Blum کی کتاب Killing Hope سے لیے ہیں۔)

جب کہ اس کے علاوہ امریکی شوقِ قتل و غارت گری کی خطرناک کہانی ایک ویب سائٹ نے شائع کرکے رونگٹے کھڑے کر دیے ہیں۔ اس نے کافی عرصے سے چھپی حقیقت پر پڑا ہوا پردہ ہٹا کر بتایا ہے کہ درندہ صفت امریکی فوج نے عراقی مسلمانوں کے قتلِ عام کے لیے دل دہلا دینے والے ظالمانہ اور وحشیانہ طور طریقے بروئے کار لائے ہیں۔ وہ جب کسی عراقی کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تو اس کی کھوپڑی کو ہدف بنا کر نشانہ بازی کی مشق کیا کرتے تھے۔ اپنے اندر کے خونی اور وحشی درندے کی تسکین کی خاطر کبھی کبھی ادھ مردہ پر تیل چھڑک کر آگ لگاتے اور اس سوختہ جاں کی تکلیف سے لطف لیتے تھے۔ یہ ہے امریکہ کا وہ اصل چہرہ، جو دنیائے مصلحت کو کم ہی دکھائی دیتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک مسلمان باہم مل نہیں جاتے، خصوصاً مسلمانوں کا یوں قتلِ عام ہوتا رہے گا۔ فلوجہ جلتا رہے گا اور ہم اپنے گھروں میں سوتے رہیں گے۔ فلسطین سسکتا رہے گا، ہم اپنے کھیتوں میں کی کاشت کاری میں مست رہیں گے۔ کشمیر تڑپتا رہے گا، ہم بنیے کی چانکیہ سیاست کے اسیر ہو کر رام رام کی مکروہ گردان کرتے رہیں گے۔ ہم جہاد کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالتے رہیں گے۔ نہ ہم کچھ کریں گے، نہ وہ کچھ کریں گے۔ اور نبی الملاحم ﷺ کی امت یوں ہی تڑپتی رہے گی۔ لیکن کوئی ایوبی اسے نہیں مل پائے گا۔ کوئی طارق اس کے خوابوں میں بھی نہیں آئے گا۔ کوئی معتصم دکھائی نہیں دے گا۔

........کوئی ہے جو امریکہ کا شوقِ ستم برباد کرے... کہ... آج اس سے بڑھ کر کوئی اہم کام نہیں ہے؟؟؟

✍ اتل

اسلام اور جدید علوم

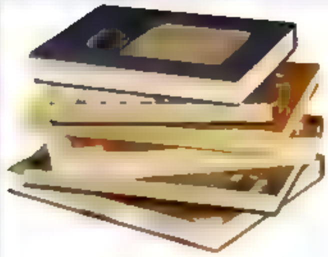

مغرب کے دانشمند اسلام کی اصلیت اور اسکے خوبصورت چہرے کو بدنام کرنے میں اپنی پوری قوت اور لگن کے ساتھ مصروف ہیں اور روز نئے طریقے اپنا کر اسلام اور اس کے نام کو مٹانا چاہتے ہیں اور ہر اس اقدام کی حمایت اور اس میں حصہ لیتے ہیں جس کے ذریعے سے اسلام کی بدنامی ہو۔ اس مقصد کے لیے وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اس وقت ان کی سب سے بڑی چال یہ ہے کہ وہ جدید علوم کے نام پر مسلمانوں کی آنکھوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اسلام کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ اسلام جدید علوم کے خلاف ہے۔

آیئے تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں کہ کیا واقعی اسلام جدید علوم کے خلاف ہے؟ یا اسلام جدید علوم کے ساتھ کوئی اختلاف رکھتا ہے؟ یا پھر اسلام ہی کی برکت سے دنیا پر سائنس اور جدید علوم کے دروازے کھلے ہیں؟

اسلام سے پہلے یونانی حکماء علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس زمانے میں ارسطو، سقراط، افلاطون، ثالس اور بطلیموس وغیرہ نے سطح زمین کی گولائی، اجرام فلکی اور دیگر علوم کے بارے میں مشاہدات اور تحقیقات کے ذریعے مختلف نظریات پیش کئے اور معلومات و تجربات کا بڑا ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑا۔

لیکن یونانیوں کے بعد عیسائیت کے دور میں سائنسی اور جدید علوم زوال کا شکار ہوگئے۔ انہوں نے سائنس، جدید علوم اور ان اہم نظریات کو بیکار اور بے سود سمجھ کر انہیں جلادیا اور ان علوم کے حاصل کرنے پر پابندی لگادی۔ یورپ اور وہ علاقے جہاں عیسائیوں کی حکومت قائم تھی جہالت کی تاریکی میں ڈوب گئے، اس زمانے میں جہاں عیسائی پادریوں کی ظلم و بربریت کی وجہ سے علم و حکمت کا نام مٹ چکا تھا عین اسی زمانے میں اللہ تعالی نے انسانیت کو ذلت و تاریکی سے باہر نکالنے کے لئے رسول اللہ کو نبی اور رسول بنا کر اس دنیا میں بھیجا اور علم و حکمت کے بے شمار خزانے رسول اللہ ﷺ کو عطاء فرمائے اور اس کی ابتداء وحی کے پہلے لفظ اقرأ سے ہوئی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ بالکل امی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور فرمایا بیشک حکمت کی موتی مومن کا گمشدہ مال ہے جہاں کسی کو ملے وہی اسکا حقدار ہیں۔

اللہ تعالی نے رسول اللہ پر عظیم الشان کتاب "قرآن حکیم" نازل فرمائی اس کتاب میں اللہ تعالی نے تمام انسانیت کو کائنات میں غور و فکر کرنے کی تاکید اور ترغیب دلائی ہے۔ اور بہت سی آیتوں میں اللہ تعالی نے بنی آدم کو حکم دیا کہ وہ اللہ تعالی کی مخلوقات میں غور و فکر کریں اور اسکی نشانیوں کو غور سے دیکھیں۔

قرآن عظیم الشان میں علم حاصل کرنے اور اس کے پھیلانے کی ترغیب ہی کی بدولت آٹھویں عیسوی صدی سے لیکر تیرھویں صدی تک دنیاہ میں علم، حکمت اور اسلام کا دور دورا تھا۔ اس دور میں مسلمانوں نے مختلف علوم مثلاً فلسفہ، طب، سائنس اور ان بھلائے گئے علوم کو نہ صرف دوبارہ زندہ کیا بلکہ ان علوم کو نئے سرے سے مرتب کر کے انہیں ایک نئی روح اور شکل دی۔

"ابو ہاشم، خالد بن یزید" جو علم کیمیاء کے بانی مانے جاتے ہیں کیمیاء اور طب کے بڑے ماہر تھے اس بارے میں انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ البیرونی جو مسلمانوں کے پہلے حکیم مانے گئے، انہوں نے بھی علم کے میدان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جابر بن حیان جنہوں نے گندھک کا تیزاب، لوہا پگھلنے اور مختلف اقسام کے گیس بنانے کے طریقے ایجاد کئے۔ "فائر پروف اور واٹر پروف کاغذ" بھی انکی ایجاد ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے سو "۱۰۰" کے قریب کتابیں بھی لکھیں۔ ایک اور سائنسدان "ابن الہیثم" جنھیں یورپین "ملک الھزان" کہتے ہیں اسطرح کے اور بھی بہت سے مسلمان سائنسدان گزرے جنہوں نے جدید علوم کے میدان میں اہم کارنامے سرانجام دئے۔

مذکورہ مسلمان سائنسدانوں نے تحقیقات و مشاہدات کے ذریعے ایسے نظریات پیش کئے جن کی مثال پوری دنیا دینے سے قاصر ہے یورپ کی موجودہ ترقی بھی انہیں مسلمان سائنسدانوں کی مرہون منت ہے۔ اور بہت سی کتابیں جن میں "الشفاء اور القانون" انہی مسلمان سائنسدانوں کی لکھی گئی کتابیں ہیں جو یورپ کے نصاب میں شامل کر کے پڑھائی جاتی ہیں۔ کیا یہ انہیں مسلمان سائنسدانوں کی محنت کا نتیجہ نہیں کہ ان کی تصنیف کردہ کتابیں پڑھ کر لوگ سائنسدان بن جاتے ہیں؟

اسلام جس نے دنیا کو جہالت کی تاریکی سے نکالا اسکا مقصد اور اسکی چاہت بھی یہی ہے کہ انسان غور و فکر کے ذریعے نئے وسائل پیدا کرے اسلام کے آنے سے جدید سائنس میں غور و فکر کرنے سے ہمیں مستقبل میں جو بھی وسائل ملیں یا سائنس آگے جتنی بھی ترقی کرے یہ قرآن مجید کی معجزانہ شان دکھائے گا، قرآن مجید اپنے اعجاز کیلئے دلیلیں پیش کرتا ہے آجکل اگر مسلمان جدید علوم میں پیچھے ہیں، تو اسکی وجہ اسلام بالکل نہیں بلکہ یہ انکی اپنی کاہلی و سستی، غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔ ان باتوں سے یہ ثابت ہوا اور ہم اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ اسلام دشمن قوتوں کا یہ دعوی کہ اسلام جدید علوم سے کوئی تضاد یا اختلاف رکھتا ہے تو ان کا یہ دعوی بالکل غلط اور اس میں کوئی صداقت نہیں ہے۔

استشراقیت اور جمہوریت

عبداللہ

ہمارے یہاں کا اصل جمود یہ نہیں... جس کا رونا مغرب سے متاثر جدت پسند روتے رہتے ہیں، 'آخر علمائے دین پتھریلے دور کے افسانوی اجتہاد کے دریچوں سے نکل کر نت نئے انکشافات و اجتہاد کیوں نہیں کرتے ہیں؟! کیا وجہ ہے کہ ان کی آنکھ سوا چودہ صدیوں کے اِس پار دیکھنے سے ڈرتی اور کتراتی ہے!؟ '... بلکہ حقیقی، خوف ناک اور زہریلا طرزِ فکر اور جمود وہ ہے، جو برصغیر میں سرسید احمد خاں سے شروع ہوتا ہے۔ اس سوچ اور زاویے کے پیروکار ڈیڑھ صدی سے امریکن ٹیکنالوجی، یورپی علمیت اور اور مغربی طرزِ معاش کے تہذیبی ارتقاء کی گہرائی سے واقف اور باخبر ہوئے بغیر ہی استشراقی عقلیت کے ترازو اور پیمانے پر اسلام کو تولتے ہیں۔ جب وحی الٰہی کے نور سے کنارہ کش رہنے والے ملحدین کے فتنہ پرور دماغی ترازو میں اسلام کی شخصیت ٹھیک طرح سے فِٹ نہیں بیٹھتی، تو انگریزی خطابات کا تمسر لینے والے ہمارے نام نہاد مسلم زعماء استشراقی خیالات و تفکرات سے متاثر ہو کر اسلام کو قابلِ مرمت سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

آج کے دور میں اس کی زندہ مثال جاوید احمد غامدی اور اسی قبیلے کے دیگر افراد ہیں۔ جاوید احمد غامدی صاحب کا کہنا ہے: "اقبال کا ایک بہت ہی مشہور شعر ہے:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس انتہائی خوب صورت شعر کو بڑا ہی غلط سمجھا گیا ہے۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کرتے وقت یا سیاسی جدوجہد کرتے وقت سب مسلمہ دینی اخلاقیات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ ان اخلاقیات میں انصاف، مشورہ، مکالمہ، تنقید کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا، جھوٹے پروپیگنڈوں سے اجتناب، غلط دعوں سے احتراز، عوام کو غلط بیانی کے ذریعے گمراہ نہ کرنا، محنت اور ہر وقت ملک کی بھلائی کے لیے سوچنا جیسی اقدار شامل ہیں۔ اگر ان مسلمہ اخلاقیات سے ہٹ کر سیاست کی گئی اور امورِ مملکت انجام دیے گئے، تو اس کا نتیجہ ملک و قوم کے لیے تباہی اور بدترین ڈکٹیٹر شپ کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہ بھی ایک بہت اہم حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں تو یہ اخلاقیات شامل ہیں ہی، لیکن دنیا کے سب اہم مذاہب میں یہ اخلاقیات شامل ہیں۔ گویا یہ عالمگیر اخلاقیات ہیں، جن پر عمل ہر قوم اور ملک کے لیے ضروری ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں کے کچھ لوگوں نے اس شعر کو بالکل مختلف معنی پہنا دیے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ سیاست لازماً دین کے نام پر ہونی چاہیے اور دین کے لیے ہونی چاہیے۔ اگر سیاست میں دین کا نام نہیں لیا گیا، تو اس سے چنگیزیت جنم لے گی۔ یہ اس شعر کی بالکل غلط تعبیر ہے۔ درج بالا مسلمہ اخلاقیات سے ہٹ کر اگر دین و سیاست کے آپس کے تعلق پر غور کیا جائے، تو صرف دس فیصد امور کا تعلق ان دونوں کے مشترکہ دائرے سے ہے اور نوے فیصد کا تعلق اس کے دائرے میں نہیں آتا۔ ظاہر ہے کہ ان نوے فیصد امور کے متعلق مختلف پارٹیوں کا ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ نقطہ نظر ہو گا۔ جہاں تک اس دس فیصد حصے کا تعلق ہے، جن میں دین و سیاست مشترک ہو جاتے ہیں، وہاں بھی تعبیر، تشریح اور حالات کے مطابق حکمت عملی اختیار کرنے پر اختلاف ہو گا۔ یہی اختلاف سیاسی تنظیموں کو جنم دیتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر عوام فیصلہ کرتے ہیں اور ایک جمہوری ملک میں اجتماعی زندگی کا پہیہ رواں دواں رہتا ہے۔ اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومتی امور چلاتے اور سیاست کرتے وقت مسلمہ دینی اور عالمگیر اخلاقیات کا خیال رکھا جائے۔ جو پارٹی ان اخلاقیات کا جتنا زیادہ خیال رکھتی ہے، اتنا ہی اس کی سیاست خیر اور شورائیت سے قریب تر رہتی ہے اور چنگیزیت نہیں بننے پاتی۔"

غامدی صاحب اپنی بات کہنے میں کافی ماہر ہیں۔ البتہ اتنی بات یاد رہنی چاہیے کہ انہوں نے جن مسلمہ اخلاقیات کا ذکر کر کے دین کو سیاست سے علیحدہ کرنے کی ایک خفیہ کوشش کی ہے، یہ سراسر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ہٹ کر ہے۔ غامدی صاحب کی مذکورہ بالا اخلاقیات دنیا کے جن تمام اور 'اہم مذاہب' میں موجود ہیں، تو اوّلاً وہ مذاہب ہی اب دنیا میں موجود

نہیں ہیں۔ ثانیاً اسلام سے ہٹ کر جن مذاہب میں یہ اخلاقیات موجود ہیں، ان کے ماننے والے کب اور کون سی دنیا میں ان اخلاقیات پر عمل پیرا ہیں۔ (یقیناً اس بدیہی معاملے کی مزید تشریح میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔) اور یہ بات تو کسی بھی علم سے شغف رکھنے والے کو نہیں فراموش کرنی چاہیے کہ آج کے دور میں دیگر مذاہب کے پیروکار... بالفرض جن اخلاقیات پر عمل پیرا ہیں، وہ بھی تو اسلام ہی سے ماخوذ ہیں۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر میں درج حقوق نامہ کہاں سے لیا گیا ہے؟ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجتہ الوداع ہی سے لیا گیا ہے۔ تو جب دوسرے مذاہب یعنی اقوام متحدہ کے بڑے عہدہ دار عیسائی اور یہودی... ہمارے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے محتاج ہیں، تو ہم مسلمان یہاں یہ کیوں نہ کہیں کہ اقبال کے شعر میں موجود لفظ 'دیں' سے اہل اسلام کا مکمل دین... اپنے بنیادی عقائد، اخلاقیات، حدود و تعزیرات، عبادات سمیت دین اسلام کے ذاتی اصولِ سیاست سے ہی تعبیر ہے۔ غامدی صاحب اقبال کے شعر کی تشریح میں 'غور و فکر' کے دوران دوسری ٹھوکر کھاتے ہوئے کہتے ہیں: 'دین اور سیاست کا آپس میں تعلق صرف 10 فیصد ہے۔ باقی 90 فیصد دین کا سیاست سے اور سیاست کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔' یہ آنجناب کی ایک انوکھی اور عجیب و غریب منطق ہے۔ یقیناً یہ ایک ایسی دانش کا تخیل ہے، جس کی عقلِ سلیم اور وحی الٰہی کی جانب سے کوئی سند نہیں مل سکتی۔ حالانکہ اگر کسی بھی سیاست کا دین سے ایک فیصد تعلق بھی کسی بھی موڑ پر ٹوٹ رہا ہو، تو یہ اس سیاست کی کم بختی اور اس کے مذموم ہونے کے لیے کافی ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً'' اے ایمان والو! اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ... غامدی صاحب مسلمہ اخلاقیات کی ایک طوالانی لسٹ گنواتے ہوئے تیسری ٹھوکر یوں کھاتے ہیں کہ وہ اپنی 'بنیادی اخلاقیات' میں دین کے عقائد، حدود و تعزیرات، عبادات اور دین اسلام کے اصولِ سیاست کو سرے سے بھول ہی گئے ہیں۔ اور سیاست کے انجام کار کے طور پر دنیاوی فائدے ہی کو حرفِ آخر گردانتے ہیں۔ جب کہ اہل اسلام کی سیات کا انجام 'اعلائے کلمۃ اللہ' ہی شمار کیا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے '' الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ...'' جب ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کرتے ہیں، تو وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں... غامدی صاحب نے اخلاقیات کی جو لمبی چوڑی لسٹ شمار کی ہے، انہیں تو وہ دین... اُن کے مطابق جس کا صرف 10 فیصد حصہ ہی سیاست کے لیے راہ نما ہے، وہ اُن اخلاقیات کو صرف "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے ایک مختصر سے جملے میں ہی بیان کر دیتا ہے۔ یہیں سے اندازہ کر لینا چاہیے کہ غامدی صاحب دین کے کتنے بڑے حصے کو اپنی غلامانہ استشراقی دانش سے متادینے کی سازش میں مگن ہیں۔

اصل بات وہی ہے جو تجدد پسندوں کے ایک نفسیات شناس نے کہی ہے "کہ ہمارے یہ استشراق زدگان مسلمان مغرب سے اتنے متاثر ہیں... بس مغرب کا کالا کٹ کتا بھی قضائے حاجت کر رہا ہو، تو یہ اسے بھی ایک انوکھی شے جان کر انسپائر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح 'اسلامی جمہوریت' بھی مغرب کی ایک ایسی ہی گولڈ میڈلسٹ حسینہ ہے، جس کو ہمارے کچھ دین مزاج بھائی بیاہ لائے ہیں۔ انہوں نے اس کو ادھر کے معاشروں کے قابل قبول ہونے کے لیے کلمہ پڑھایا ہے۔ احساسِ کمتری کی ماری قوم کے لیے اس کے رعب میں آنے کے لیے اس کا بدیسی ہونا ہی کافی تھا۔ ارے واہ! اتنی گوری اتنی چٹی 'کلمہ پڑھی ہوئی جمہوریت!' انہوں نے ہاتھ لگانے کی بھی جرأت نہ کی اور دور سے ہی دیکھ کر خوش ہو گئے کہ لو! ایک کلمہ پڑھی گوری اپنے ہاں بھی آئی ہے۔ اس نے ہمارے رواج توڑے، دستور توڑے، آزادی کے نام پر ہر بے حیائی اور غیر اخلاقی اقدار کو اندر لے آئی، لیکن قوم خوش ہی رہی کہ کلمہ پڑھا رکھا ہے!! معاشرت کے نام پر یہ ہر اس میدان میں اسی طرح ناچنے لگی، جو کہ غیر قوموں کا دستور تھا۔ لوگ پھر بھی مطمئن رہے کہ اس نے کلمہ پڑھا ہوا ہے۔ اس نے ہر شرک و کفر کو ایک جواز دیا، ہر ظالم کو اقتدار تک پہنچنے کا راستہ دیا، دین کے ہر ناتا جی کو سمجھوتہ کرنا سکھایا، کلمے کا سہارا لے کر ہر چیز کو عام کیا، اور قوم... محلے داروں کی طرح اسی بات پر خوش رہی کہ اس نے کلمہ پڑھا ہوا ہے! اگر کسی نے بہت زیادہ شرمندگی محسوس کی بھی تو نانا جی کی طرح سر جھکا کر یہی کہا کہ 'بیٹا وہ کلمہ پڑھی ہوئی ہے۔ یوں نہ بولا کرو، نصیب پھوٹ جائیں گے۔'

اے مسلم قوم! آج بھی وقت ہے۔ ہمارا بہت کچھ استشراق اور جمہوریت، یہ دونوں کلمے کے بھیس میں برباد کر چکے ہیں۔ اور جو باقی بچا ہے، ہمارے نہ سنبھلنے کی صورت میں وہ بھی برباد کر دیں گے۔ خدا کے لیے سمجھ جائیں اور اس اسلامی جمہوریت کو تین طلاقیں دینے کے ساتھ ساتھ استشراقیوں کو ایک ناسور کی طرح کاٹ کر پھینک دیں۔ ورنہ وہ آپ کو کہیں کا نہیں چھوڑیں گے۔ نہیں سمجھو گے، تو یوں خدا ملنے سے رہا اور وصالِ صنم بھی نہیں پا سکو گے۔

اے عبرت والو! نصیحت حاصل کرو۔

امریکی آقا نے غلاموں کی صلح کرادی

شاہد

مغرب کی بھٹی سے کشید کردہ شراب کے رسیا اشرف غنی احمد زئی اور استعمار کے پرانے وظیفہ خور ڈبل عبداللہ کے درمیان نام نہاد انتخابات کے دوران کئی ہفتوں سے جاری کشمکش سے سیاسی افق گرد آلود رہا۔ حالات سے بے خبر اور سطحی نظر رکھنے والے لوگ بہت خوفزدہ اور پریشان نظر آرہے تھے۔ مغرب پرست طبقہ اسے بڑا داخلی بحران قرار دیتا ہے۔ بدقسمتی سے کچھ مفاد پرست طبقوں نے انتہائی شعوری طریقے سے اس طرح کے نمائشی اختلاف کو ملک کی تقسیم کی سازش قرار دیا۔ اور کہا گیا کہ اگر یہ مسئلہ حل نہ کیا گیا تو یہ ایک لامتناہی جنگ چھڑ جائے گی۔ مگر بالآخر ان کے آقا امریکی وزیر خارجہ جان کیری کی مداخلت سے یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ اور میڈیا ذرائع کے مطابق تین ہفتوں میں انتخابی صندوقوں کی پھر سے تحقیق کی جائے گی اور جعلی ووٹوں کی پھر سے گنتی ہوگی۔

یہ بات معلوم نہ ہو سکی کہ جان کیری نے دونوں غلاموں کے درمیان حکم بن کر فیصلہ صادر کیا یا ڈانٹ پلا کر دونوں کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ جس کے باعث مجبوراً انہوں نے فوری طور پر مصالحت قبول کرلی اور دوبارہ گنتی پر راضی ہوگئے۔ کیوں کہ اشرف غنی مغرب کا حلقہ بگوش غلام اور مسیحی اقدار سے محبت کرنے والا شخص ہے۔ ان کی اہلیہ لارا غنی کے بقول مغرب میں وہ ان کی کلیسا سے بہت محبت رکھتے تھے اور ہمیشہ اپنی اہلیہ کے ساتھ وہاں جاتے تھے۔ اگر اشرف غنی کامیاب ہو جاتا ہے تو بدقسمتی سے مستقبل میں افغانستان ایسے اسلامی ملک کی خاتون اول ایک عیسائی خاتون ہوگی۔ یہ اسلامی تاریخ اور روایات کے حامل ملک افغانستان کی تاریخ میں انتہائی شرمناک اقدام ہوگا۔ ملک کا اسلامی تشخص خدانخواستہ کردہ دیگر اسلامی ممالک کے مقابلے میں کئی نسلوں تک پیچھے چلا جائے گا۔

دوسری جانب ڈبل عبداللہ صرف امریکیوں کا نہیں بلکہ فرانس سمیت پوری مغرب اور سابقہ مشرق کے بدنام زمانہ گروپ "نظار" کا وہ وفادار وظیفہ خور ہے جس کی برکت سے آج خلاف تصور اپنے آقاؤں کی مفادات کے لیے برسرپیکار ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے امریکی مفادات کے لیے وہ ناقابل عمل کوششیں انجام دیں جس نے بچہ سقہ، شاہ شجاع اور کارمل جیسے تاریخ کے بدنام چہروں کو بھی شرمندہ کر دیا۔

جان کیری کو اپنے خوشامدیوں سے آخر کون سے مفادات وابستہ تھے کہ ہزاروں کلو میٹر دور سے فضائی سفر کر کے ثالثی کے لیے وہ افغانستان آیا اور دونوں میں صلح کرادی۔ درحقیقت ہوا ایسا ہوا ہوگا کہ قطعی امریکی حکم، دھمکی، دھونس دباو۔ جس کے آگے کریملین، کولاب، تہران، پیرس اور وہائٹ ہاؤس کے مشترک وفادار ڈبل عبداللہ کو مجبوراً ہاں کرنی پڑی ہوگی۔ اور پھر عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے اسے قومی یکجہتی کا نام دیا گیا

مگر اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے جس کی وجہ سے افغانستان کا واحد جسم ٹکڑوں میں بٹ جائے گا اور مرکزی حکومت متعدد ریاستوں اور علاقائی و قومی حکومتوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ وہ یہ کہ جان کیری، احمد زئی اور عبداللہ نے آپس میں اتفاق کرلیا ہے کہ موجودہ آئین میں شمالی اتحاد کی خواہشات کے مطابق تبدیلی کی جائے گی۔ صدارت عظمی کی کرسی کا اضافہ کیا جائے گا جو عبداللہ کو دی جائے گی۔ شاید افغانستان شمال، جنوب، مشرق اور دیگر ٹکڑوں میں بٹ جائے گا اور ایک مبہم ریاست کی غیر واضح حکومت وجود میں آجائے گی۔ جس میں امریکا اور دیگر ممالک کے خواہشات کی تکمیل آسانی سے ہوگی۔ اس متزلزل حکومت کے معاملات بھی ایسے غلام ضمیروں کے ہاتھ میں ہوں گے جن کے سامنے دین کی کوئی اہمیت نہیں۔ اور نہ افغانستان کی مقدس سرزمین ان کے لیے قابل قدر ہے۔ کچھ حلقوں کی یہ وہ دیرینہ خواہش ہے جس کا وہ عرصے سے انتظار کر رہے ہیں۔ وگرنہ قومی یکجہتی کا مسئلہ تو خونخوار جنرل دوستم کی معاونت سے اشرف غنی اور انجینیر محمد خان کی معاونت سے عبداللہ نے حل کر دیا ہے۔ مذکورہ لوگ وہ اشخاص ہیں جن

کے ہیجان کا اندازہ ہر شخص کو ہے۔ اسلام اور وطن سے ان کی محبت صفر میں ہے۔ ذاتی مفادات کے لیے ہمیشہ انہوں نے قومی اور عوامی مفادات کو پامال کیا۔ یہ ہمیشہ غیروں کے ایسے خادم رہے ہیں کہ جنہوں نے ہمیشہ اپنے آقاؤں کو اپنی خدمات کا یقین دلایا ہے۔

جان کیری اور اس کے کٹھ پتلیوں کی تثلیث کے اس اتفاق سے تجزیہ کار اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان کا یہ اتفاق ملک کی تقسیم پر منتج ہوگا۔ تینوں فریقوں کے اس خفیہ اتفاق کے نتیجے میں وجود میں آنے والی قومی حکومت ایک وفاقی اور ریاستی حکومت ہوگی۔ مرکزی حکومت کا وجود ختم ہو جائے گا۔ جو تدریجی طور پر ملک کی مکمل تقسیم پر منتج ہوگا۔

عالمی ذرائع ابلاغ نے ان جملوں کے ساتھ جان کیری کانفرنس اور اس کے انجام کا ذکر کیا: "جان کیری نے گذشتہ رات، رات گئے ایک پریس کانفرنس سے کہا کہ اس اتفاق سے مفید راہیں کھل جائیں گی اور قومی یکجہتی کی بنیاد پر حکومت قائم ہو جائے گی۔ دونوں نے اتفاق کیا ہے کہ وہ تحقیقات کے نتائج تسلیم کریں گے، انتخابات میں کامیاب ہونے والا صدر ہوگا اور کامیاب امیدوار فوری طور پر قومی یکجہتی کی بنیاد پر حکومت تشکیل دے گا"۔

مگر کانفرنس میں قومی یکجہتی کی کیفیت بیان کرنے سے گریز کیا۔ اس سے قبل دونوں نمائندوں نے ایک دوسرے کے ساتھ مشترکہ حکومت تشکیل دینے کی خبر کی تردید کردی تھی۔

اشرف غنی احمدزئی نے انتخابات کی تاریخ میں اس کو سب سے بڑا تحقیق قرار دیا اور اسے خوش آمدید کہا اور کہا "ہم دونوں نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ تحقیقات کے نتائج کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کریں گے۔ ان تحقیقات کے نتیجے میں جو بھی افغانستان کا صدر بنے گا دوسرا بھائی اسے تسلیم کرے گا۔ ہم نے اس بات پر اتفاق کرلیا ہے کہ نتائج کے اعلان کے بعد قومی وحدت کی بنیاد پر ایک حکومت کی تشکیل مفید رہے گی۔

انتخابات کے دوسرے فریق عبداللہ عبداللہ نے بھی کہا وہ اس معاہدے کے لیے تیار ہیں: "ہم خوش ہیں کہ آج ہم اس اتفاق پر پہنچ چکے ہیں۔ تیکنیکی توافق کے ساتھ سیاسی اتفاق بھی ہو چکا ہے۔ ان شاء اللہ جب ایک بار یہ تحقیقات مکمل ہوں گی اور پور طرح مکمل ہو جائیں گی قومی اتحاد کی بنیاد پر حکومت کے لیے راہ ہموار ہو جائے گی"۔ اسی طرح نیویارک ٹائمز نے اپنی معلومات کے موضوع کے حوالے سے خبر نشر کی ہے:

روزنامہ نیویارک ٹائمز کو افغان اور امریکی حکام نے امریکی وزیر خارجہ اور دونوں نمائندوں کے اس اتفاق کے متعلق معلومات دی ہیں۔

اخبار نے ان عہدیداروں کے نام بتانے سے گریز کیا ہے جنہوں نے یہ معلومات فراہم کی ہیں۔ اور کہا ہے وہ نہیں چاہتے ہیں کہ ان کا نام لیا جائے۔ کیوں کہ کسی بھی فریق کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس معاہدے کے متعلق معلومات فراہم کریں۔ دوسری طرف معاہدہ بالکل ابتدائی مرحلے میں ہے۔

نیویارک ٹائمز کا کہنا ہے کہ دونوں فریقین نے تسلیم کرلیا ہے افغانستان کی وحدت کی حفاظت کی خاطر تدریجی طور پر صدارت کو وجود دیا جائے گا۔

اخبار نے حکام کے حوالے سے کہا ہے کہ اگرچہ افغانستان میں امریکا کے تعاون سے ریاستی نظام وجود میں آیا ہے جس میں تمام اختیارات صدر کے پاس ہوتے ہیں۔ مگر اب یہ بات مان لینی چاہیے کہ سیاسی، قومی اور تنظیمی دشمنیاں بڑھنے سے افغانستان کو درپیش خطرات کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ نظام میں تبدیلی لائی جائے۔

وہ لوگ جو ان خبروں کے قریب تھے۔ نظام میں تبدیلی عبداللہ عبداللہ کا بنیادی ہدف تھا جس نے افغانستان کے پورے سیاسی نظام کو خطرات کا شکار کر دیا تھا اور الگ حکومت بنانے کا اعلان کر دیا تھا۔

جیسا کہ ہم پہلے اس کی تصریح کر چکے ہیں کہ کیری کے دورے میں بڑی باتیں پوشیدہ ہیں جو قومی آزادی اور استقلال کو فائدہ کی بجائے مزید نقصان سے دوچار کر دیں گی۔ عبداللہ عبداللہ کو خوش کرنے کے لیے مرکزی حکومت کا پارہ پارہ کیا جائے گا۔ اور نظار کے بچے کھچے لوگوں کے لیے موقع بنایا جائے گا۔ قومی اور لسانی تعصب میں پلے بڑھے لوگوں کی حکومت میں امریکا کے لیے سکیورٹی معاہدے پر دستخط امریکا کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں

مگر امارت اسلامیہ کے مجاہدین کو یقین ہے کہ رواں جہادی حالات کی لہریں جان کیری کی ان دسیسہ کاریوں کو بہا کر لے جائیں گی۔ اور اس سازشی سلسلے کا کوئی منطقی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ آزادی واستقلال کے پروانے اس سازش کا بھی اسی قوت سے مقابلہ کریں گے جس طرح 2001 کے بعد سے جارحیت پسندوں کی وحشتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے انہیں اپنے مقاصد اور اہداف سے دور رکھا۔

عبدالرحمن

ترقی میں رکاوٹ کون؟

مسلمان ممالک... خصوصاً جہاں اہلِ اسلام کچھ غلبہ رکھتے ہیں... وہاں اکثر یہ آواز بلند ہوتی دیکھی گئی ہے کہ "تم ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہو"! دلچسپ امر یہ ہے کہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا طعنہ سیکولرازم کے حامی... مسلمانوں کو دیتے ہیں اور مسلمان... سیکولرازم کے پرستاروں کو دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ دیکھنے، سوچنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ... بلاشبہ ان میں سے ایک سچا، حقیقت پسند اور خیر خواہ ہے اور دوسرا جھوٹا، الزام تراش اور فسادی ہے۔ اس معاملے کی گہرائی میں جانے کے لیے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ دونوں حریف یہ نعرہ کس پس منظر میں لگاتے ہیں... یا... یہ طعنہ کس پیش منظر میں دیتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے آخری نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا کلمہ پڑھنے والے مسلمان... اسلام اور اسلامی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں۔ انہیں قرآن وسنت کی روشنی میں جس نظام کا پابند بنایا گیا ہے، انہیں اپنی دنیا کی ترقی اور آخرت کی بہتری اسی میں نظر آتی ہے۔ وہ خلافت کے خواہاں ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ یقیناً دنیا میں رہنا اور یہاں کی زندگی کو گزارنا ایک ناگزیر امر ہے۔ اور اس زندگی کو اگر اللہ ہی کے احکامات کے مطابق بسر کیا جائے، تو بہتر ہے۔ وہ کہتے ہیں: بلاشبہ ہمیں بھی دنیا میں ترقی چاہیے۔ ہم دنیا کے کاروبار میں کسی قوم سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے۔ ہماری ترقی اس نظام اور طرزِ حیات میں ہے، جس نے ترقی کی اطمینان بخش ضمانت دے کر ہمارے دلوں کو مطمئن کیا ہے۔ اور غیروں کی تابعداری میں ہمیں ناکامی کا سامنا کرنے کی خبر بھی دی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں مغرب کے نظریات، اخلاق، طرزِ فکر، دین اور ان کی زندگی گزارنے کے بنیادی فلسفے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وہ چیز ہے، جسے سیکولر طبقہ ہم پر مسلط کرنا چاہتا ہے، لیکن ہمارے نہ ماننے پر دونوں کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کی آگ بڑھکتی رہتی ہے۔

اس کے بالمقابل سیکولر طبقہ کے افراد... مغرب اور مغربی طرزِ فکر کی تقلید میں کامیابی کا راز پنہاں سمجھتے ہیں۔ اگرچہ وہ بھی اسلام ہی کا کلمہ پڑھتے دکھائی دیتے ہیں، لیکن ان کا یقین ہے کہ اسلام نے جو نظام اہلِ اسلام کو دیا تھا... وہ کئی صدیوں پرانا ہے۔ اس میں اب اتنی طاقت نہیں رہی کہ جدید دنیا کے نت نئے چیلنجز کا مقابلہ کر سکے... یا... آئے روز پیش آنے والے نئے مسائل کا حل مہیا کر سکے۔ جب کہ دوسری طرف مغرب نے جو ترقی کی ہے، وہ جدید زمانے کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کی ہے۔ اس میں ٹیکنالوجی بھی ہے اور نئی تحقیقات بھی ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ مذہب ایک ناگزیر شے ہے، تو اسے اجتماعی امور میں داخل نہیں ہونے دینا چاہیے۔ اگر اسے انسان کی ذاتی زندگی تک محدود رکھا جائے، تو اسی میں کامیابی ہے۔ ہمارے سامنے ترقی یافتہ مغرب کی مثال موجود ہے۔ جس دن انہوں نے مذہب کو انسان کی ذاتیات کا حصہ بنایا تھا، وہی دن ان کی ترقی کا پہلا قدم ثابت ہوا تھا۔ چوں کہ مسلمان ایسا نہیں کرتے، اسی لیے یورپ سے ترقی کی بھیک مانگنے پر مجبور دکھائی دیتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ 'تیسری دنیا کے غیر ترقی یافتہ ممالک کی فہرست سے نکل کر صفِ اول کے ممالک میں شامل ہوں، تو ہمیں مغرب کی تعلیمات، وہاں کے نظریات اور وہاں کے نظام کو فالو کرنا ہوگا۔

جب سیکولرازم کے حامی اور اسلام کے نام لیوا اپنا اپنا نعرہ لگاتے ہیں اور ان نعروں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے میدانِ عمل میں اترتے ہیں، تو ایک ہی ملک کے باشندے ہونے کے ناطے دونوں کا ایک ہی راستے پر چلنا ناگزیر ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہاں ایک ہی نظام ہوتا ہے۔ وہاں ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ لیکن چوں کہ ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ ہم کامیاب ہو جائیں۔ ہمارے نظریات کا ڈنکا بجے۔ یہ راستہ صرف ہمارے لیے ہی مختص ہو۔ یہاں کسی غیر اور ہمارے مخالف کو چلنے کی اجازت نہیں ہو سکتی..... یہاں یہ بات تو

"یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جہاں کہیں مسلمانوں پر غیروں کا نظامِ تعلیم مسلط کیا گیا ہے، وہاں اس کے نتائج بے حد خطرناک ظاہر ہوئے ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کی جن نسلوں نے غیروں کی گود میں بیٹھ تعلیم حاصل کی ہے، انہوں نے غیروں کے نظریات سے متاثر ہو کر عملاً یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اپنے مذہب اور عقائد و ثقافت سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں، بلکہ اکثر تو یہ دیکھا گیا ہے وہ غیروں کی چاکری میں اپنے ہی ہم مذہبوں کے سخت دشمن بن جاتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس افسوس ناک حقیقت کو بیچ چوراہے بیان کرتا ہے کہ وہ اپنے ہم وطن اور اپنی رعایا کے رجحانات و ترجیحات پر استعماری ٹولے کے مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔ اپنے مذہب کے بجائے اسلام دشمنوں کے نظریات پر فخر کرتے ہیں۔ وہ اپنے ملک کو غیروں کا غلام بنانے سے ذرا بھی نہیں شرماتے ہیں۔"

واضح ہے کہ دونوں ہی ترقی کے زینے طے کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہ لوگ جس ترقی کو پانے کے لیے اتنی تگ و دو میں مصروف ہیں... تو اسے پانے کے لیے کون ایسے نظریات، تعلیمات اور نظام کو لے کر آگے بڑھ رہا ہے، جو واقعی اسے ترقی دے سکے؟؟؟

کیا اسلامی نظام کا حامی درست رائے رکھتا ہے یا سیکولرازم کا حامی صحیح نظریے کا پرچم اٹھائے ہوئے ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جن ممالک کو اسلامی سمجھا اور باور کیا جاتا ہے، وہاں بے چوں چرا اسلامی نظام ہی نافذ ہونا چاہیے۔ اگرچہ اسلامی نظام میں غیر مسلموں کے لیے بھی راحت ہی راحت ہے، لیکن آج کی دنیا میں اگر وہ نہیں مانتے تو یہ ان کی مرضی ہی سہی... البتہ اسلامی ممالک میں اسلام کا دستور ہی ترقی اور کامیابی کا ضامن ہے۔ یہ ایک حقیقت پسندانہ جائزہ ہے، جس کے دلائل ہمارے پاس موجود ہیں۔ کسی بھی قوم کی ترقی اور پستی کا راز اس کے تعلیمی و تربیتی نظام میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ جس قوم نے بھی تعلیم کا میدان سر کر لیا، وہی دنیا پر چھا جانے کی حق دار ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے اس قوم کا نظامِ تعلیم اس کے دین و ثقافت اور رسم و رواج کے مطابق ہو۔ کیوں کہ ہر قوم ایک الگ مذہب کو ماننے والی ہوتی ہے اور وہی مذہب اسے اپنی ایک الگ شناخت اور پہچان برقرار رکھنے کے لیے دوسروں سے منفرد نظریات اور علیحدہ ثقافت دیتا ہے۔ جس قوم کا تعلیمی ڈھانچہ اس کی مذہبی تعلیمات، عقائد و افکار اور ثقافت کے مطابق ہوتا ہے، اسے ترقی کرنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ کیوں کہ اس قوم کا وہ مذہب، جس کے بغیر اس کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا... وہ اس کی مدد کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہی ڈھانچہ... دین اور اجتماعی بندھن سے باغی ہو کر ترتیب دیا جائے، تو پھر اس قوم کو برباد ہونے سے بھی کوئی نہیں روک سکتا۔ ایک مصنف اس حوالے سے لکھتے ہیں...:

"یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جہاں کہیں مسلمانوں پر غیروں کا نظامِ تعلیم مسلط کیا گیا ہے، وہاں اس کے نتائج بے حد خطرناک ظاہر ہوئے ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کی جن نسلوں نے غیروں کی گود میں بیٹھ تعلیم حاصل کی ہے، انہوں نے غیروں کے نظریات سے متاثر ہو کر عملاً یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اپنے مذہب اور عقائد و ثقافت سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں، بلکہ اکثر تو یہ دیکھا گیا ہے وہ غیروں کی چاکری میں اپنے ہی ہم مذہبوں کے سخت دشمن بن جاتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس افسوس ناک حقیقت کو بیچ چوراہے بیان کرتا ہے کہ وہ اپنے ہم وطن اور اپنی رعایا کے رجحانات و ترجیحات پر استعماری ٹولے کے مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔ اپنے مذہب کے بجائے اسلام دشمنوں کے نظریات پر فخر کرتے ہیں۔ وہ اپنے ملک کو غیروں کا غلام بنانے سے ذرا بھی نہیں شرماتے ہیں۔"

جب اسلام کے حامی اور اسلام کے نظام کا سکہ چلانے کے خواہش مند یہ صورتِ حال دیکھتے ہیں، تو وہ اپنے مذہب، اپنی ثقافت اور اپنے نظام کو بچانے کے لیے میدان میں نکل آتے ہیں۔ سیکولرازم کے حامیوں کی غلط کارستانیوں کے ردِ عمل میں ایسے لوگوں، ایسے نظام اور ایسی تعلیم کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، جس نے انہیں روحانی اور مادی... دونوں حوالوں سے پستی میں گرا دیا ہوتا ہے۔ وہ اسلام سے سراسر متضاد نظام کو نیست نابود کرنے کی خاطر ہر پلیٹ فارم کو میدانِ کارزار میں بدل دیتے ہیں۔ اور یہی وہ بنیادی پوائنٹ اور مرکزی نقطہ ہے، جہاں اسلام پسندوں اور سیکولرازم کے حامیوں کا نظریاتی ٹکراؤ ہوتا ہے، تو پھر دونوں الزام لگانے کی خاطر ایک دوسرے کو "ترقی کی راہ میں رکاوٹ" کا طعنہ دیتے ہیں۔ نتیجتاً ملک... اپنے ہی باسیوں کے مابین میدانِ جنگ بن کر رہ جاتا ہے۔

قاری محمد ستار سعید

پہلی جنگ عظیم اور اسلامی دنیا پر اس کے اثرات

آج سے سو سال قبل جولائی 1914 کا مہینہ تھا جب یورپ کے قلب میں ایک جنگ کی آگ بڑھک اٹھی۔ یہ جنگ جو ابتدا میں دو ممالک آسٹریا اور سربیا کے درمیان شروع ہوئی بعد میں اس نے یورپ حتی کے دنیا کے تمام براعظموں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ جنگ 1918 تک جاری رہی، مگر اس جنگ نے انسانیت اور دنیا بھر کو ایسے نقصانات پہنچائے جو اس سے قبل کسی جنگ میں دنیا نے نہیں اٹھائے تھے۔ اسی لیے یورپیوں نے اس جنگ کو پہلی عالمی جنگ قرار دیا۔

پہلی جنگ عظیم کے عوامل:

بیسویں صدی کے آغاز میں یورپ کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو پانچ قوتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں، جن کے درمیان اس وقت مقابلہ جاری تھا۔ انگلستان، فرانس، جرمنی، روس اور آسٹریا ہنگری۔

ان طاقتور قوتوں کے درمیان مسلسل رقابت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس وقت جب یورپ میں نیشنلزم اپنے عروج پر تھا ہر ملک چاہتا تھا کہ دوسرے کے کندھے پر پیر رکھ خود کو اونچا کر دے۔ ان ممالک کی ایشیا، افریقہ، امریکا اور سمندروں میں مستعمرات اور کالونیاں بھی تھیں۔ اکثر ان کے درمیان نزاع کا باعث ایک دوسرے کی مستعمرات میں مداخلت اور دراندازی رہی۔ اس کے علاوہ خام مواد کی معدنیات پر بھی ان کے درمیان جنگیں رہیں۔ سرحدی علاقوں میں زمینی جھگڑے بھی عروج پر رہے۔

ان پانچ قوتوں نے ایک دوسرے کے خلاف اتحاد بھی قائم کیے ہوئے تھے۔ کچھ ظاہری رقابتیں اور نزاعات بھی ان کے درمیان چلتے رہے۔ مثال کے طور آسٹریا اور روس کے درمیان کافی عرصے سے بلقان میں کشمکش چل رہی تھی۔ فرانس اور جرمنی جنھوں نے انیسویں صدی کے اسی کی دہائی میں سخت جنگیں لڑی تھیں اب بھی کچھ علاقوں میں ان کے درمیان رقابت کا سلسلہ جاری تھا۔ برطانیہ اور جرمنی کے درمیان اقتصادی اور صنعتی میدان میں اسی طرح سمندروں پر قبضوں کے حوالوں سے وسیع رقابت کا سلسلہ جاری تھا۔ فرانس اور روس کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ قائم تھا کہ سخت حالات میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ جرمنی اور آسٹریا کے درمیان مشترکہ اصلیت کی بناء پر گرم تعلقات قائم تھے۔ ان کے پڑوس میں اس وقت ایک اور نمایاں قوت ترکی کی عثمانی خلافت تھی۔ عثمانی ترکوں کے جرمنی سے گرم تعلقات تھے۔ ان کے زیر سلطنت علاقوں میں جرمن مصنوعات کے لیے مناسب مارکیٹیں موجود تھیں۔ عثمانی ترکوں کے جرمنی کے علاوہ کسی اور یورپی ملک سے اچھے تعلقات نہ تھے۔ کیوں کہ روسیوں نے ان سے قفقاز، برطانیہ نے مصر، خلیج فارس اور بحیرہ احمر کے بعض ساحلی علاقے، فرانس نے المغرب اور الجزائر اور اٹلی نے لیبیا اور تیونس چھین لیے تھے۔

انہیں حالات میں جب طاقت کے نشے میں مست یہ مغربی ممالک ایک دوسرے سے خوف زدہ تھے اور ہر ایک دوسرے کو شک کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک خطرناک جنگ کے لیے حالات بالکل ہی تیار تھے، صرف ایک بہانے کی ضرورت تھی۔

28 جون 1914 کو یہ بہانا میسر آگیا۔ آسٹریلین استعمار کی روسی حمایت یافتہ سربیا سے سخت دشمنی تھی۔ اسی روز آسٹریا کے ولی عہد آرکیڈوک فرڈینینڈ کو ایک سرب آسٹرین نے قتل کر دیا۔ آسٹریا نے اس قتل کو۔ سربیا کا کارنامہ قرار دیا اور اسے دھمکی دی کہ اگر اس قتل کی تحقیقات کے لیے آسٹریا کے وفد کو تحقیق کی اجازت نہیں دی گئی تو اس پر حملہ کر دیا جائے گا۔ سربیا نے آسٹریا کے دیگر شرائط تسلیم کر لیے مگر آسٹرین ٹیم کی جانب سے سربیا میں

تحقیقات کی شرط تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت جرمنی کے سربراہ نے آسٹریا کو اطمینان دلایا کہ وہ سربیا پر حملہ کر دے۔ جرمنی پوری قوت سے اس کی پشت پر کھڑا ہو گا۔ اسی لیے آسٹریا نے سربیا پر حملہ کر دیا جس کے پشت پر روس پوری قوت سے کھڑا تھا۔

جنگ میں توسیع:

28 جولائی 1914 کو آسٹریا نے سربیا سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ چونکہ روس اور سربیا آپس میں اتحادی تھے اور اکیلا وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا تھا اس لیے روس نے آسٹریا کے خلاف جنگ کے لیے اپنی فوج تیار کر لی۔ فرانس کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد اس نے سربیا کے دفاع کا اعلان کیا۔ اس قضیے میں روس کی علانیہ مداخلت نے آسٹریا کے اتحادی جرمنی کو برانگیختہ کر دیا۔ دو روز بعد یکم اگست کو جرمن چانسلر کی جانب سے زار روس کے خلاف جنگ کا اعلان کیا گیا۔ تین اگست کو جرمنی نے فرانس پر بھی حملہ کر دیا۔ اور فرانس کی جانب بڑے آپریشن کا آغاز کر دیا جس کے لیے ماحول پہلے سے سازگار تھا۔

جرمنی جس شمار اس وقت گنے چنے چند طاقتور ترین قوتوں میں ہوتا تھا شروع سے ان کوششوں میں تھا کہ کسی طرح اپنے یورپین حریفوں خصوصاً فرانس اور روس کی خوب دھنائی کرے۔ اسی لیے انہوں نے شروع سے منصوبہ یوں بنایا تھا کہ پہلے مغربی جانب وسیع آپریشن کیا جائے گا تاکہ فرانس کو تہس نہس کر دیا جائے اس کے بعد مشرقی جانب روس پر حملہ کر دیا جائے گا۔ جرمنی نے فرانس کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔ جرمنی کو فرانس پر حملے کے لیے راستے میں پڑنے والے ملک بلغاریہ پر بھی قبضے کی ضرورت تھی۔ جو کہ اس جنگ میں بالکل غیر جانبدار تھا۔ جرمنی کی جانب سے بلغاریہ پر حملے سے برطانیہ کو بھی غصہ آگیا۔ اس لیے 4 اگست کو برطانیہ نے بھی جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔

بعد کے کچھ دنوں میں مونٹی نیگرو اور جاپان بھی جرمنی کے خلاف جنگ میں کود پڑے۔ جنگ جس نے پورے یورپ کو لپیٹ میں لے رکھا تھا دیگر براعظموں کی جانب بھی پھیلنے لگا۔ مشرق بعید، بحرالکاہل اور افریقہ میں ایک دوسرے کے مستعمرہ خطوں پر حملوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دنیا کے دیگر ممالک بھی اس جنگ میں شریک ہو گئے۔ یہاں تک کہ جنگ کے اختتام تک دونوں جانب سے لڑنے والے ممالک کی تعداد 28 تک پہنچ گئی۔ جس میں جرمنی، آسٹریا، عثمانی ترک اور بلغاریہ ایک صف میں تھے جنہیں محوری قوتیں کہا جاتا تھا جبکہ اس کے مقابلے میں 24 یورپی ممالک، امریکا اور ایشیائی ممالک تھے جنہیں اتحادی ممالک کہا جاتا تھا۔

جنگ کے آغاز میں جرمنی نے فرانس کی جانب جس کارروائی کا آغاز کیا بلغاریہ اور فرانس کی کچھ زمینوں پر قبضہ کیا۔ مگر فرانسیسی، برطانوی اور بلغارین فوجوں سے سخت لڑائی کی وجہ سے اس کی پیش قدمی بالکل رک گئی۔ یہاں تک کہ دونوں فریقین مورچے کھودنے اور مسلسل جنگ شروع کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس محاذ پر ایک بڑا واقعہ بلغاریہ کے حدود میں پیش آیا۔ اتحادی افواج نے جرمن فوجیوں کے خط اول تک ان کی قدموں کے نیچے سے سرنگیں کھود دیں۔ انہوں نے جرمن فوجیوں کی قدموں تلے 19 سرنگوں میں 410 ٹن دھماکہ خیز مواد نصب کر دیا اور پھر ایک ساتھ سب کو پھاڑ دیا۔ یہ دھماکہ جس کی آواز 225 کلو میٹر دور لندن میں سنی گئی اس میں 10 ہزار جرمن فوجی ہلاک ہو گئے اس طرح جرمن فوجیوں کے خط اول میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا۔

جرمنی کو اگر مغرب میں شکست و ریخت کا سامنا تھا تو مشرق میں وہ کامیابی سے ہم کنار ہو رہا تھا۔ مشرق میں جرمن فوجیوں نے زار روس کی فوجیوں کو مسلسل شکست سے دوچار رکھا۔ ایک لاکھ 25 ہزار روسی فوجیوں کو زندہ گرفتار کیا گیا۔ وسیع علاقوں پر قبضہ کیا گیا۔ اس دوران آسٹریا اور سربیا کے محاذوں پر بھی جنگ زوروں پر تھی۔ اٹلی شروع میں جرمنی اور آسٹریا کا اتحادی تھا مگر مئی 1915 میں اس نے رخ بدل دیا اور اتحادیوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ اس کے مستعمرہ علاقوں میں بھی جنگ شدت اختیار کر گئی۔ افریقہ کے کیمرون، ٹوگو اور دیگر ساحلی علاقوں میں اتحادیوں نے جرمنی کے مستعمرہ علاقوں پر فوجی حملے شروع کر دیے۔ دوسری طرف 60 ہزار جاپانی فوجیوں نے چین کے سرحد پر جرمنی کے بڑے اڈے چینگ تاؤی پر بڑا حملہ کر دیا۔ اسی طرح فاکلینڈ اور مشرق بعید کے خطوں میں بھی برطانوی اور جرمن فوجیں لڑ پڑیں۔ مستعمرات پر ہونے والی جنگوں میں جرمنی کو صرف افریقہ کے مشرقی علاقے تانگا بندر میں کامیابی ملی۔ دیگر جنگوں میں یورپ کے باہر تقریباً تمام مستعمرات جرمنی کے ہاتھوں سے نکل گئیں۔ اور اس کے فوجیوں نے مزاحمت کے بعد اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

عثمانی خلافت کی جنگ میں شرکت:

بیسویں صدی کے آغاز میں اگر اسلامی تاریخ کا تجزیہ کیا جائے تو مختصراً اس کی

تصویر یوں ہوگی کہ براعظم افریقا میں تمام اسلامی ممالک پر فرانس، اٹلی اور برطانیہ کی جانب سے تسلط اور قبضہ کیا گیا۔ متحدہ ہندوستان بھی برطانیہ کے مستعمرات میں سے تھا۔ ایران روس اور برطانیہ کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہوگیا تھا۔ بلقان کے جزائر اور قفقاز کے علاقوں کی اسلامی خطے روس نے عثمانی ترکوں سے قبضہ کیے تھے۔ وسطی ایشیائی ممالک بھی روس کے زیر تسلط تھے۔ پوری دنیا میں صرف افغانستان، عثمانی امپریل کے ملحقات اور جزیرۃ العرب کے کچھ صحرائی علاقے ایسے تھے جن پر مسلمانوں کا اپنا تسلط قائم تھا۔ اسلامی دنیا میں صرف عثمانی خلافت مضبوط قوت تھی۔ ترکیہ، بلقان کے کچھ علاقوں اور مشرق وسطی کے ممالک پر ان کا تسلط تھا۔

عثمانی امپریل اس وقت اپنی تاریخ کی سب سے بری حالت کا شکار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یورپی حریفوں نے اسے یورپ کا مرد بیمار کہا تھا۔ ترک جن کا سایہ کئی صدیوں تک یورپ پر رہا آخری دور میں جدید علوم اور تیکنیکی مہارتوں کے علوم میں یورپی حریفوں سے پیچھے رہ گیا۔ اسی لیے اس کے سابقہ حریف اس پر دلیر ہو رہے تھے۔

جب عثمانی خلافت کے حریف روس، فرانس اور انگلستان جب طاقتور جرمنی سے لڑائی میں معروف تھے اور انہیں سخت نقصانات اٹھانے پڑرہے تھے، عثمانی ترکوں نے دیکھا کہ جرمنی اس جنگ میں کامیاب ہو رہا ہے، عثمانیوں نے جرمنی سے تعلقات کی بنیاد پر اس امید پر کہ وہ اتحادیوں سے اپنا انتقام لے گا اور سابقہ مقبوضہ علاقے ان سے واپس لے لیگا، 29 اکتوبر 1914 کو جرمنی کا اتحادی بن کر اتحادیوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔

عثمانی ترکوں کو یہ بھی امید تھی کہ یورپی استعماروں سے جنگ میں پڑنے کے بعد ساری اسلامی دنیا میں استعماری قوتوں کے خلاف جہاد کے فتوی کے ساتھ مسلمان اٹھیں گے اور یورپیوں کو اسلامی علاقوں سے نکال دیں گے۔ مگر چونکہ عثمانی ترکوں کا اصل ہدف ہارے ہوئے علاقوں کا پھر سے حاصل کرنا تھا۔ اسی لیے انہوں نے پہلے قفقاز کی جانب جنرل انور پاشا کی قیادت میں لاکھوں فوجی بھیجے تا کہ مشرقی یورپ میں جرمنی کے ساتھ معروف جنگ روسی فوجیوں کے گرد گھیرا تنگ کیا جاسکے۔ مگر اس لشکر نے قفقاز کے محاذ پر شدید جنگ کے بعد شکست کھائی۔ کہا جاتا ہے قفقاز کی جنگ میں 90 ہزار سے زیادہ ترک فوجی مر گئے جن میں سے اکثریت کی موت ٹھنڈی ہوا اور سردیوں کی وجہ سے ہوئی۔

ترکوں نے دوسرا لشکر شام کے حاکم جمال پاشا کی قیادت میں صحرائے سینا کے ذریعے مصر کی جانب روانہ کیا۔ یہ لشکر جرمنی کے حمایت سے کوشش کر رہی تھی کہ سوئز کینال پر قبضہ کر کے مشرقی مستعمرات سے برطانیہ کا رابطہ کاٹ دیا جائے۔ اس لیے برطانیہ نے مسلسل اپنے دفاع کے لیے اپنے مستعمرات کو انسانی اور مالی ذرائع کے طور پر استعمال کیا۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ مغربی یورپ میں لڑنے والی برطانوی فوج کا تیسرا حصہ متحدہ ہندوستان کے مسلح شہری تھے جو جرمنی کے خلاف لڑ رہے تھے۔ پہلی جنگ عظیم میں تمام لڑنے والے ہندوستانیوں کی تعداد ایک ملین سے زیادہ سمجھی جاتی ہے جو انگریز کی حمایت میں سوئز کینال کی جنگ لڑ رہے تھے۔ اس جنگ میں بھی ترکی کی فوج کو شکست ہوگئی اور غزہ تک پسپا ہوگئی۔ ترکوں نے قفقاز کے محاذ کی طرح جزیرۃ العرب میں بھی مسلسل شکست کھائی۔

بغداد کویت اور بیت المقدس پر انگریزی فوج کا قبضہ ہوگیا۔ برطانوی فوج نے شام کے شہر حلب تک پیش قدمی کی۔ برطانیہ کی اس پیش قدمی میں ترکوں کے خلاف عربوں کا بڑا کردار تھا۔ جو مغربیوں کی تاریخ میں انگریز جاسوس ایڈورڈ لارنس کا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ انگریز جاسوس جس نے کئی عشرے عربوں میں کام کیا۔ اور عربوں کو ترکوں کے خلاف ابھارا اور آخر اس کوشش میں کامیاب ہوگیا کہ مکہ مکرمہ کے والی حسین بن علی جو شریف حسین کے نام سے مشہور تھے انہیں ترکوں کے خلاف مکہ مکرمہ کا گورنر متعین کر دیا۔ شریف حسین کو ترکوں نے مکہ مکرمہ کا گورنر مقرر کر دیا، اس نے وفاداری تبدیل کی اور انگریزوں کے اشارے سے ترکوں کی آزادی کے خلاف تحریک کا آغاز کر دیا۔

قاہرہ میں مصر اور عربی دنیا کے لیے قائم برطانوی دفتر کی جانب سے اسے کھلایا جارہا تھا۔ اس نے عرب قبائل کو ترکوں کے خلاف جنگ کے لیے ابھارا۔ انگریزوں نے دھماکہ خیز مواد کے لیے اس سے تعاون کیا تا کہ پورے جزیرۃ العرب میں بچھائے جانے والی ریل کی پٹڑیوں کو اڑا دیا جائے۔ اور ترکی کی فوج کو پہنچنے والی کمک کا راستہ روکا جاسکے۔ عربوں کی بغاوت نے ترک فوج کو بہت سے مشکلات سے دوچار کر دیا تھا اور انگریزوں کی فتح کے لیے راہ ہموار کی۔

گالی پولی کی جنگ:

پہلی عالمی جنگ کے دوران گالی پولی کے جزائر میں پیش آنے والا واقعہ وہ واحد

جنگ تھی جس میں عثمانی ترکوں نے اپنا جنگی ہنر پیش کیا اور یورپی اتحادیوں کو سخت شکست سے دوچار کر دیا۔ عثمانی ترکوں نے جنگ کے شروع سے بحر ظلمات اور بحیرہ مردار کے درمیان باسفور اور درہ نیل کے درمیانی درے میں۔ اس طریقہ نے برطانیہ اور فرانس کے بڑے اتحادی روس کا راستہ روک رکھا تھا اور وہ جنگ کے جنوبی اور مغربی محاذوں تک اپنی بحری فوج پہنچا نہیں سکتا تھا۔ اسی رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے اتحادیوں نے فیصلہ کیا کہ چاہے جس قیمت پر بھی ہو اس درے کو اپنے قبضے میں لانا چاہیے۔

ونسٹن چرچل جس کا شمار بعد میں برطانیہ کے نمایاں ترین مفکرین میں ہوا اس وقت وہ برطانیہ کے سمندری افواج کا سربراہ تھا۔ اس نے دریائے نیل کے درے اور اس کے بعد استنبول پر قبضے کے لیے جنگ کا نقشہ مرتب کیا اور لاکھوں کی تعداد میں فوج وہاں روانہ کر دی۔ فروری 1915 میں پہلی بار سمندری کشتیوں اور ساحلوں پر جنگ کا آغاز ہو گیا جو چلتے چلتے گالی پولی تک آ پہنچا۔ اس جنگ میں 4 لاکھ 90 ہزار برطانوی اور 79 ہزار فرانسیسی فوجیوں نے حصہ لیا۔ اس کی قیادت چرچل کے ہاتھ میں تھی۔ عثمانی ترکوں کی جانب سے مصطفی کمال اتاترک کی قیادت 3 لاکھ 15 ہزار فوج لڑ رہی تھی۔ جنگ کئی مہینوں تک جاری رہی اور دونوں نے مخالفین کو سخت نقصانات پہنچائے۔ یورپیوں نے بہت زور لگایا کہ کسی طرح دریائے نیل کے درے پر قبضہ کریں مگر ترکوں نے شدید مزاحمت کی۔ تاریخ لکھتی ہے کہ اس جنگ میں ترک فوج کے سربراہ کا نعرہ یہ تھا کہ :"میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ گالی پولی جاو اور لڑو بلکہ میں کہتا ہوں وہاں جاو اور مر جاو"۔

یہ جنگ دسمبر 1915 میں یورپیوں کی شکست سے اپنے اختتام پہنچی۔ اس میں ڈھائی لاکھ سے کچھ کم تعداد میں اتحادی اور ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ عثمانی فوجی ہلاک ہو گئے۔ اس جنگ کی کامیابی نے ترک فوج کے سربراہ مصطفی کمال کو غیر معمولی شہرت دی اور ترک فوج میں ان کو غیر معمولی محبت اور مقبولیت حاصل ہونے لگی۔ مصطفی کمال نے اسی شہرت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ترک فوج کو خلافت کے خلاف بغاوت پر اکسایا۔ عثمانی خلافت کا خاتمہ کر دیا اور نئے سیکولر نظام کی بنیادوں پر قائم ترکی وجود میں آ گیا۔

جنگ کا آخری مرحلہ:

1917 میں باوجود اس کے کہ جنگ کو تین سال گذر چکے تھے اور دونوں جانب سے میلینوں افراد اس آگ میں بھسم ہو چکے تھے۔ جنگ پوری طرح اپنے عروج پر تھی۔ جنگ کی اصلی لائن مغربی محاذ تھے جہاں جرمنی اور اتحادی افواج کے درمیان جنگی خط گہرے خندقوں کی صورت میں موجود تھے۔ یہ خندق دریائے مانش سے سوئس تک پھیلے ہوئے تھے۔ جس کی لمبائی 650 کلومیٹر تھی۔

> پہلی عالمی جنگ کے باعث پہلی بار ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف بڑی سطح پر مخالفت کی فضا ہموار ہونے لگی۔ مسلمان رہنماوں نے عثمانی خلافت کی حمایت میں جہاد کا فتوی دیا۔ ہندوستان میں خلافت پارٹی بن گئی۔ ہندوستان کو دارالحرب اور افغانستان کے دارالاسلام کا اعلان کیا اور مسلمانوں نے ہندوستان سے جماعت در جماعت ہجرت شروع کر دی۔ اس سلسلے میں صرف اگست 1920 میں 18 ہزار ہندوستانی مسلمانوں نے ...

جرمنی جسے زمینی جنگ میں کشمکش کا سامنا تھا کوشش کی کہ ہوائی اور سمندری جنگ شروع کر دے۔ اس نے دشمن کے شہروں اور جنگی لائنوں پر بمباریاں شروع کیں۔ دوسری جانب آبدوزوں کے ذریعے مخالفین کی کشتیوں پر حملے شروع کر دیے۔ سمندری جنگ کے دوران جرمنی نے پے درپے کئی برطانوی بیڑے تباہ کر دیے۔ اس وقت چونکہ ریاست ہائے متحدہ امریکا ایک غیر یورپی طاقت کی حیثیت سے غیر جانبدار تھا۔ جنگ کے دونوں فریقین سے اس کے قرضوں کے لین دین اور اسلحہ کی فروخت کا معاملہ چلتا تھا۔ مگر چونکہ امریکا اتحادیوں کے زیادہ قریب تھا جرمنی کو یہ پسند نہ آیا کہ امریکی بیڑہ اتحادیوں کی مدد کرے۔ جرمن آبدوزوں نے اپریل 1917 میں بحر اطلس میں امریکی بیڑوں پر حملے کیے اور اس میں سوار امریکیوں سمیت انہیں تباہ کر دیا۔ اس واقعے کے بعد امریکی صدر ویلسن نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور اپنی تازہ دم فوج جنگ کے محاذوں کی طرف روانہ کر دی۔

اگر جنگ میں تازہ دم فوج کی شمولیت اتحادیوں کے لیے اچھی خبر تھی تو دوسری جانب اسی سال اکتوبر میں روس میں ولادیمر لینن اور ٹروٹسکی کی قیادت میں بالشویک انقلاب آ گیا۔ جس نے زار سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ کامیابی کے بعد روس نے عالمی جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا اعلان کر دیا۔

جنگ کی صف سے روسیوں کا نکلنا اتحادیوں کے لیے بری خبر تھی۔
مارچ 1918 میں جرمنوں نے مغربی محاذ پر ایک بار پھر زور آزمائی شروع کردی۔ اس نے اتحادیوں کے خلاف وسیع پیمانے پر کارروائی کا آغاز کر دیا۔ اتحادی قوتوں کو پیچھے دھکیل دیا مگر جرمنی پیرس پر قبضہ نہ کر سکا۔
اسی سال جولائی کے مہینے میں اتحادیوں نے فرانسیسی جنرل فرڈیننڈ فاش کی قیادت میں جرمن خط پر ایک بار پھر جوابی حملہ کر دیا۔ جس نے جرمنی کو شکست کے قریب کر دیا۔ ایسے حالات میں جب جنگ کے سارے فریق تھک ہار چکے تھے، ملینوں کی تعداد میں فوجی ہلاک ہو چکے تھے۔ ان کی اقتصادی بنیادیں ہل چکی تھیں۔ جرمن سمجھ گئے کہ اب مزید جنگ کو جاری رکھنا ناممکن ہو گا اس لیے انہوں نے اسی سال پہلے 11 نومبر کو مغربی محاذ پر اتحادیوں کے ساتھ وقتی فائر بندی کے معاہدے پر دستخط کر دیے۔ اسی فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جرمن چانسلر قیصر ولیم نے اقتدار کو خیر باد کہہ دیا اور ہالینڈ کی جانب فرار ہو گیا۔ جرمنی میں نئی حکومت قائم ہو گئی۔ اسی تبدیلی کو جرمنی کی شکست سے تعبیر کیا گیا۔
اعتراف شکست کے بعد عملی طور پر جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور اتحادیوں کی جانب سے جرمنی، ترکی اور آسٹریا سے جنگ کا تاوان لینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وارسا معاہدہ جو جون 1919 میں جرمنی پر لاگو کیا گیا نے جرمنی کو شدید پابندیوں میں جکڑ کر رکھ دیا۔ مثال کے طور پر اتحادیوں نے جرمنی کے متعلق فیصلہ کیا کہ: جرمنی کے تمام جنگی اور تجارتی بیڑے برطانیہ اور فرانس کو دیے جائیں گے۔ جرمنی کئی سالوں تک ان دونوں ممالک کو کشتیاں بنا کر دے گا۔ جرمنی تمام ممالک اور اپنے مستعمرات میں اپنی معدنیات اتحادیوں کو دے گا۔ جرمنی 5 ہزار ریل گاڑیاں اور ڈیڑھ لاکھ گاڑیاں اتحادیوں کے بنائے گا۔ جرمنی دس سال تک بڑی مقدار میں کوئلہ فرانس، چیک اور اٹلی کو دے گا۔ جرمنی 6 ارب 600 ملین سٹرلنگ لیر نقدی کی صورت میں اتحادیوں کو دے گا۔ جرمنی سار کے کوئلے کے کان 15 سال تک فرانس کو دے گا۔ تاکہ وہ جتنا چاہیں کوئلہ وہاں سے لے جائیں۔ جرمنی کو سمندری اور فضائی فوج رکھنے کا حق حاصل نہیں ہو گا۔ اضافی فوج نہیں رکھے گا۔ اپنی فوجی طاقت صرف ایک لاکھ تک رکھے گا جس میں ٹینک اور بھاری اسلحہ شامل نہیں ہو گا۔
مذکورہ بالا شرائط کے علاوہ اس فیصلے میں اور بھی بہت سے سخت شرائط شامل تھے جس کی وجہ سے جرمنی کو وسیع زمینی حلقے سے محروم ہونا پڑا۔ اپنے ذخائر کا 55 فیصد لوہا، 45 فیصد لوہا، 75 فیصد جست، 57 فیصد خام لوہے کے کانوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس فیصلے کے سخت شرائط تھے جن کی وجہ سے جرمنی میں دوسرے یورپیوں کے مقابلے میں نفرت اور بیزاری میں اضافہ ہونے لگا۔ اور در حقیقت یہی سخت شرائط کا فیصلہ تھا جو دوسری جنگ عظیم کا باعث بنا۔ وہ جنگ جس نے دنیا کو پہلی جنگ عظیم بھلا دی۔
بعد میں آنے والے اعداد و شمار میں واضح ہو گیا کہ پہلی جنگ عظیم میں فرانس کے 41 لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ جو اس ملک کی کل آبادی کا دسواں حصہ تھے۔ اسی طرح جرمنی کے 3 ملین، برطانیہ کے ساڑھے سات لاکھ، امریکیوں کے ایک لاکھ 15 ہزار اور روس کے 71 لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ اس جنگ میں ملینوں کی تعداد میں لوگ معذور اور زخمی ہو گئے اور 5 ملین کے قریب لوگ لاپتہ ہو گئے۔
پہلی جنگ عظیم میں تمام فریقوں کو نقصان پہنچایا۔ اسلامی دنیا کو بھی بڑے پیمانے پر نقصانات اٹھانے پڑے اور بہت سی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ محوری قوتوں کی شکست کے ساتھ ہی عثمانی خلافت نے بھی اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ ان کی یہ شکست دراصل ان کی 800 سالہ حکومت کا خاتمہ تھا۔ اگست 1920 میں اتحادیوں نے عثمانی ترکوں پر بھی ایسی ہی شرمناک پابندیاں اور جرمانے عائد کر دیے جس طرح جرمنی پر عائد کر دیے گئے تھے۔ یہ معاہدہ جو سور شہر میں اتحادیوں اور عثمانی ترکوں کے درمیان ہوا اس میں یہ تسلیم کیا گیا کہ ایشیا، یورپ اور افریقا تمام زمینیں اور ترکی کی اصل سرزمین کے بہت سے ساحلی علاقے اتحادیوں کو دیں گے۔ اس طرح عثمانی خلافت کے 80 فیصد علاقے اس کے قبضے سے نکل گئے۔ جنگ سے قبل عثمانی سلطنت کی وسعت 3 ملین مربع کلومیٹر تک پہنچ رہی تھی مگر اس معاہدے کے بعد عثمانی سلطنت کا رقبہ محض 6 لاکھ مربع کلومیٹر رہ گیا۔ اس کے علاوہ عثمانی ترکوں پر یہ لازم کیا گیا۔ باسفور اور دریائے نیل کا درہ جس پر اس وقت اتحادیوں کا قبضہ تھا وہ بین الاقوامی قوتوں کے حوالے کیا جائے گا۔ دریائے اژہ اور مڈیٹران میں اہم جزائر یونان اور اٹلی کے حوالے کرے گا۔ ایشیائی حصے میں ترس اور ازمیر کے ساحلی علاقے یونان کے حوالے کیے جائیں گے۔ شمال مشرق میں ارمینیائی حکومت کو باقاعدہ طور پر تسلیم کرے گا۔ جزیرۃ العرب میں وجود میں آنے والی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو ترکی باقاعدہ ممالک

کی حیثیت سے تسلیم کرے گا اور ترک کردوں کو خود مختار حکومت بنانے کا حق دے گا۔

اس معاہدے کی رو سے جزیرۃ العرب باقاعدہ عثمانی ترکوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ فرانس اور برطانیہ کے درمیان سائیکس پیکو معاہدے کی رو سے عراق، کویت، اردن اور فلسطین برطانیہ کے مستعمرہ ممالک بن گئے۔ اور شام اور لبنان فرانس کے حصے میں آ گئے۔ عثمانی سلطنت کی جانب سے یہ معاہدہ جس پر سیاسی قائدین نے دستخط کیے ترک فوج کے لیے قابل قبول نہ رہا۔ یہی وجہ تھی کہ ترک فوج نے مسلسل مخالفت جاری رکھی۔ مصطفیٰ کمال پاشا جس نے عالمی جنگ میں خوب نام کمایا تھا خلافت کے سربراہان کے خلاف اپنی شہرت کو خوب استعمال کیا۔ ناراض فوجیوں کو ابھارا اور خلافت کے خلاف بغاوت کردی۔ مصطفیٰ کمال نے عثمانی خلافت کو گرا دیا۔ اتحادیوں کے لشکر کو ترکی کے اصل علاقوں سے باہر کر دیا اور ترکی کو سیکولر نظام پر استوار کر دیا۔ عثمانی خلافت کے گرنے سے مسلمانوں کی وہ عالمی قوت ختم ہو گئی جس نے صدیوں صدیوں سے یورپی جارحیت پسندوں کا راستہ روک رکھا تھا۔ جو عالمی قوتوں سے رقابت کا سلسلہ قائم رکھ سکتا تھا اور ایک قابل توجہ عالمی قوت سمجھا جاتا تھا۔ عثمانی ترکوں کی شکست کے بعد مسلمان کبھی بھی عالمی معاملات میں قوی حیثیت حاصل نہ کر سکے۔ بلکہ کفریہ طاقتوں کی آپس کی جنگوں میں پامال ہوتے رہے۔

اسلامی دنیا پر پہلی عالمی جنگ کے اثرات کا اگر مختصر الفاظ میں لکھیں تو ایسا کہا جاتا ہے کہ اس جنگ کے ساتھ بیت المقدس ایک بار پھر انگریزی اور صلیبی طاقتوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اور انہوں نے دنیا کے کونے کونے سے یہودیوں کو یہاں پہنچانا شروع کر دیا۔ متحدہ عرب سائکس پیکو معاہدے کی روشنی میں کئی حصوں میں بٹ گیا۔ کویت، عراق، اردن، فلسطین، حجاز، لبنان اور شام کے نام سے نئی چھوٹی چھوٹی حکومتیں سامنے آ گئیں۔ جو فرانس اور برطانیہ کی مستعمرات تھیں۔ عربوں میں قوم پرستی اور پان عربیزم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں ترکوں اور عربوں کے درمیان قومی دشمنی شروع ہو گئی۔ اتاترک جو عرب اور اسلام کو ایک چیز سمجھتا تھا عرب دشمنی میں اس نے اسلام سے بھی دشمنی شروع کر دی۔ ایک بے دین حکومت سامنے آئی، عربی رسم الخط اور کئی اسلامی احکام پر پابندیاں لگا دیں اور اذان کو عربی سے ترکی زبان میں بدل دیا۔

اس جنگ کے نتیجے میں ایران پر روسی اور برطانوی استعمار کے پنجے اور بھی مضبوط ہو گئے۔ قفقاز اور بلقان کے علاقوں میں عثمانی سلطنت کے مسلم رہائشی علاقے اتحادیوں کے ہاتھوں میں چلے گئے اور نئی جمہوریتیں سامنے آ گئیں۔ اس جنگ نے مسلمانوں کو جانی نقصان بھی بہت پہنچایا۔ عثمانی ترک جنہیں امید تھی کہ اس جنگ میں وہ مستعمرہ مسلمانوں کو برطانیہ کے خلاف لڑا دیں گے اس کے مقابلے میں انگریز اور فرانسیسیوں نے ہندوستان، پنجاب اور افریقا کے اسلامی ممالک سے لاکھوں مسلمانوں کو یورپ اور مشرق وسطی کے محاذوں پر عثمانی خلافت کے خلاف لڑایا۔

اسلامی دنیا کے اس جنگ کا ایک مثبت اثر یہ تھا کہ اسلامی امت میں انگریزی اور دیگر یورپی استعماروں کے خلاف نفرت کا جذبہ اور بڑھ گیا۔ افغانستان میں انگریزوں کے خلاف عمومی نفرت عروج پر پہنچ گئی۔ یہاں تک کہ 1919 میں انگریزوں کے حامی رہنما امیر حبیب اللہ کو افغانوں کی جانب سے قتل کیا گیا۔ افغانوں نے ایسے حالات میں جب مشرق، مغرب اور جنوب سے انگریزوں نے ملک کو محاصرے میں لے رکھا تھا اپنی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا اور اس جنگ میں کامیاب ہو گئے۔

پہلی عالمی جنگ کے باعث پہلی بار ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف بڑی سطح پر مخالفت کی فضا ہموار ہونے لگی۔ مسلمان رہنماؤں نے عثمانی خلافت کی حمایت میں جہاد کا فتوی دیا۔ ہندوستان میں خلافت پارٹی بن گئی۔ ہندوستان کو دارالحرب اور افغانستان کے دارالاسلام کا اعلان کیا اور مسلمانوں نے ہندوستان سے جماعت در جماعت ہجرت شروع کر دی۔ اس سلسلے میں صرف اگست 1920 میں 18 ہزار ہندوستانی مسلمانوں نے افغانستان کی جانب ہجرت کی۔

اس جنگ کے باعث افریقی اسلامی ممالک میں بھی برطانیہ، فرانس اور اٹلی کے خلاف مخالفت زور پکڑنے لگی اور عوامی تحریکیں شروع ہو گئیں۔ یہی تحریکیں مختلف ممالک کی آزادیوں کا مقدمہ بن گئیں۔

مگر مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلی عالمی جنگ کا انجام مسلمانوں کے حق میں انتہائی خراب تھا۔ اس جنگ کے بعد مسلمان اور بھی کمزور ہو گئے۔ عثمانی خلافت جو بہت عرصے سے مسلمانوں کے ایک طاقتور نمائندے کی حیثیت سے قائم رہا اس کے بعد مسلمان کبھی ایک طاقتور مرکز کے گرد جمع نہ ہو سکے۔

★★★★★

جنگی جرائم

2 جولائی 2014ء کو صوبہ پکتیکا کے صوبائی دارالحکومت شرنی کے قریب حکومتی حامی ملیشیا کے اہلکاروں نے تین ڈاکٹروں کو تشدد کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔

5 جولائی کو صوبہ ہلمند ضلع گرشک کے علاقے سیدان گاؤں کے قریب قندہار، ہرات قومی شاہراہ پر افغان فورسز کی فائرنگ سے دو بچے زخمی ہوئے۔

5 جولائی کو صوبہ ننگرہار کے علاقے نازیان کے سپینہ ڈی بازار میں افغان اہلکاروں کی فائرنگ سے تین شہری زخمی ہوئے۔

7 جولائی کو صوبہ قندوز کے ضلع علی آباد کے لالہ میدان کے مقام پر حکومتی حامی ملیشیا کے اہلکاروں نے ایک گھر پر راکٹ فائر کیا جس کے نتیجے میں 5 بچے شہید اور تین خواتین سمیت چار افراد زخمی ہوئے۔

8 جولائی کو قابض افواج نے صوبہ قندوز ضلع خان آباد کے علاقے ایشان ٹوپ میں سرچ آپریشن کے دوران چار افراد کو شہید کر دیا۔

8 جولائی کو صوبہ روزگان ضلع چوری کے علاقے کونج میں پولیس نے معمولی تکرار پر ایک شخص کو شہید کر دیا۔

8 جولائی کو صوبہ میدان وردگ کے ضلع جلگہ میں پولیس نے سکول پرنسپل [محمد ایوب باشندہ احمد خیل گاؤں] کو شہید کر دیا۔

9 جولائی کو صوبہ لوگر کے پل علم شہر کے قریب کجی گاؤں میں حکومتی حامی ملیشیا کے اہلکاروں نے دو بچوں کو شہید کر دیا۔

10 جولائی کو قابض افواج نے صوبہ قندوز ضلع دشت ارچی کے حاجی نعیم گاؤں میں چھاپہ مار کر چار افراد کو حراست میں لیا۔

11 جولائی کو صوبہ ننگرہار کے ضلع پچیر اگام کے بازار میں اربکی ملیشیا کے اہلکاروں نے دو دکانداروں کو شہید کر دیا۔

13 جولائی کو صوبہ ہلمند ضلع سنگین کے ساروان قلعہ شہزادی اور برگزو کے مقامات پر قابض اور افغان اہلکاروں نے مشترکہ کارروائی کرنے کے دوران 8 نہتے شہریوں کو شہید اور چار کو زخمی کر دیا۔

13 جولائی کو صوبہ فاریاب ضلع دولت آباد کے علاقے شور دریا میں قبائلی رہنما حاجی گل کو پولیس نے شہر سے باہر رکشہ سے اتار کر شہید کر دیا۔

14 جولائی کو قندہار ضلع میوند کے علاقہ سرہ بغل میں قابض افواج کے فضائی حملے میں دو خواتین شہید جبکہ تین افراد زخمی ہوئے۔

14 جولائی کو صوبہ غزنی ضلع شلگر میں حیات گاؤں پر قابض افواج نے چھاپہ مارنے کے دوران دو افراد کو حراست میں لیا۔

15 جولائی کو قندوز ضلع خان آباد کے عوام نے شکایت کی کہ اربکی ملیشیا کے اہلکاروں نے ایک خاندان کے دو افراد کو شہید کیا جبکہ چار افراد کو حراست میں لیا، حکومتی نمائندوں نے بھی تصدیق کرتے ہوئے کہا ہے کہ خان آباد، دشت ارچی اور امام صاحب کے اضلاع میں اس طرح کے واقعات میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

16 جولائی کو قندوز ضلع دشت ارچی کے علاقے کوکچہ میں پولیس نے فائرنگ کر کے ایک خاتون کو شہید جبکہ چار بچوں کو زخمی کیا۔

17جولائی کو قابض افواج نے صوبہ غزنی ضلع واغظ کے علاقے ہفت اسیا میں چھاپہ مارا، گھر گھر تلاشی لینے کے دوران گھروں کے دروازوں کو بموں سے اڑایا، لوگوں کو مالی نقصان پہنچایا اور تین افراد کو حراست میں لیا۔

18جولائی کو صوبہ پروان ضلع کوہ صافی کے علاقے پیتاو میں قابض افواج نے بمباری کرکے شین گل نامی ایک شخص کو شہید کر دیا۔

19جولائی کو صوبہ تخار کے ضلع دستاق میں جاسوسی ادارے کے اہلکاروں اور پولیس نے ساٹھ بکریاں چوری کرکے ضلع ینگی فرار ہوگئے، حکومتی حکام نے بھی اس واقعے کی تصدیق کرتے ہوئے بکریوں کو واپس کرنے کا اعلان کیا۔

20جولائی کو صوبہ ہلمند ضلع سنگین کے کنگ ماندہ میں طالبان سے جھڑپ کے بعد قابض افواج اور افغان فورسز کی مشترکہ کارروائی میں 8 شہری شہید ہوگئے۔

21جولائی کو صوبہ غزنی ضلع شلگر کے چہار خانہ گاوں میں قابض افواج نے تلاشی لینے کے دوران ایک شخص کو شہید کیا۔

23جولائی کو صوبہ ہلمند کے ضلع سنگین میں پیچ فوجی مرکز سے افغان فورسز نے راکٹ فائر کیا جو ایک گھر میں گرا جس کے نتیجے میں ایک بچہ شہید جبکہ چار بچے زخمی ہوئے۔

24جولائی کو صوبہ بدخشان کے ضلع راغستان اربکی ملیشیا کے کمانڈر مدیر حیات نے 5 افراد کو شہید، دس کو زخمی کر دیا۔

24جولائی کو صوبہ غزنی ضلع واغظ کے خزر گوڈلو گاوں پر قابض افواج نے چھاپہ مارا، گھر گھر تلاشی لینے کے دوران دو افراد کو حراست میں لیا۔

25جولائی کو صوبہ زابل ضلع شاجوی کے علاقے باہ خیل میں پولیس نے ایک معمر شخص [جانان اکا] کو مسجد میں شہید کر دیا۔

26جولائی کو صوبہ کاپیسا ضلع تگاب کے علاقے شینکی میں حکومتی حامی ملیشیا کے اہلکاروں نے ایک شخص [جنت گل] جو ایک درخت کے نیچے سو رہا تھا کو شہید کر دیا اور ان کی جیب سے ساٹھ ہزار افغانی رقم چوری کرکے فرار ہوگئے۔

27جولائی کو صوبہ ہلمند ضلع گرشک کے سیدان گاوں پر افغان فورسز نے حملہ کرکے دو بچوں کو شہید اور ایک کو زخمی کیا۔

28جولائی کو صوبہ ہلمند ضلع مارجہ کے ترخ ناور امیر بلند گاوں میں پولیس نے چار سالہ معصوم بچہ شہید کر دیا۔

30جولائی کو صوبہ ننگرہار ضلع لعلپور کے چوک علاقہ میں پولیس نے ایک مسافر گاڑی پر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں ایک شخص شہید اور تین زخمی ہوگئے۔

30جولائی کو قندہار ضلع ژڑی کے حوض مدد علاقے میں افغان فورسز نے اپنی چوکی کے سامنے چھ افراد جو عید کی مبارکباد کے لئے کہیں جا رہے تھے ابدی نیند سلا دیئے۔

30جولائی کو صوبہ زابل ضلع شاجوی کے بازار کے قریب خان گاوں میں افغان فورسز کے راکٹ حملہ میں ایک شخص شہید اور ایک زخمی ہوا۔

31جولائی کو قندہار ضلع شاولیکوٹ کے علاقے مقر میں قابض افواج نے ایک بستی پر فضائی حملہ کرکے 9 افراد کو شہید کر دیا۔

31جولائی کو صوبہ فاریاب ضلع المار کے علاقے جلگدی میں افغان فورسز نے راکٹ فائر کیا جس کے نتیجے میں ایک شخص شہید اور دو زخمی ہوئے۔

اقتباسات: [بی بی سی، آزادی ریڈیو = افغان اسلامک نیوز ایجنسی = پژواک، خبریال، لراوبر، نن ٹکی ایشیا اور بینوا ویب سائٹس]

شوال کے مہینے میں ہونے والے کارروائیوں کا جدول

نمبر شمار	صوبہ	کارروائیوں کی تعداد	فدائی حملے	دشمن کے مالی اور جانی نقصانات					عام شہریوں اور مجاہدین کی جانی نقصانات		
				صلیبیوں کی اموات	صلیبیوں کے زخمی	اجنٹوں کے ہلاکتیں	اجنٹوں کے زخمی	فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں کی تباہی	مجاہدین کے شہداء	مجاہدین کے زخمی	گاڑیوں کی تباہی
-1	قندہار	91	1	4	0	120	39	40	3	0	1
-2	ہلمند	194	0	8	9	402	153	87	6	20	0
-3	غزنی	55	0	9	5	56	46	12	2	3	0
-4	خوست	32	0	0	0	25	27	10	0	0	0
-5	نورستان	6	0	0	0	18	1	0	2	3	0
-6	میدان وردگ	104	0	0	0	114	73	21	3	4	0
-7	کونڑ	55	0	0	0	45	26	10	1	0	0
-8	پکتیکا	51	0	0	0	64	47	13	0	0	0
-9	زابل	99	0	0	0	133	37	60	3	1	0
-10	لوگر	93	1	10	3	100	43	21	5	8	0
-11	کاپیسا	30	0	0	0	56	49	9	0	0	0
-12	روزگان	80	0	0	0	115	39	16	7	13	0
-13	پکتیا	77	0	1	1	126	119	19	4	3	0
-14	فراہ	22	0	0	0	22	16	2	1	4	0
-15	کابل	30	1	8	6	22	14	15	0	0	0
-16	ننگرہار	166	1	8	2	201	200	37	9	17	2
-17	لغمان	39	0	0	0	27	36	17	3	1	0
-18	ہرات	31	0	0	0	34	24	17	2	13	0
-19	نیمروز	14	0	0	0	26	13	5	0	0	0
-20	بادغیس	25	0	0	0	37	27	12	6	13	0
-21	قندوز	73	0	1	2	125	105	12	7	6	0
-22	بغلان	12	0	0	0	13	23	8	0	0	0
-23	فاریاب	56	0	2	0	62	67	15	6	9	0
-24	غور	15	0	0	0	24	15	1	1	2	0
-25	پروان	27	0	16	10	31	9	7	2	0	0
-26	تخار	10	0	0	0	13	17	2	1	4	0
-27	سمنگان	3	0	0	0	1	0	1	0	0	0
-28	بدخشان	12	0	1	2	27	55	4	3	1	0
-29	بامیان	1	0	0	0	0	2	0	0	0	0
-30	بلخ	7	0	0	0	3	7	2	0	0	0
-31	جوزجان	14	0	0	0	23	14	6	2	2	0
-32	دائی کنڈی	7	0	0	0	9	4	1	0	0	0
-33	سرپل	9	0	0	0	17	21	4	0	3	0
-34	پنجشیر	0	0	0	0	0	0	0	0	0	0
مجموعہ		1540	4	68	40	2091	1368	486	79	130	3

دشمن کے گرائے جانے والے طیارے: 1- ننگرہار میں ایک جاسوس طیارہ 2- سمنگان میں ایک جاسوس طیارہ 3-بدخشان میں ایک ہیلی کاپٹر

فرمان امیرالمؤمنین

ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ

عوام جانتے ہیں کہ چند بیرونی آلہ کاران کے مستقبل سے کھیلنے کی کوشش کر رہے ہیں، انتخابات میں ان کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی انھیں ان انتخابات میں شمولیت کا کوئی فائدہ ہوگا۔ اسی بناء پر امارت اسلامیہ ان انتخابات کو مسترد کرتی ہے اور عوام سے مطالبہ کرتی ہے کہ ان انتخابات میں شرکت نہ کریں۔ کیوں کہ یہ ایک ڈرامہ ہے جسے جارحیت پسند اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے رچانا چاہتے ہیں۔

امریکا اور اس کے اتحادیوں کو دراصل انتخابات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، انھیں وہاں انتخابات میں دلچسپی ہوتی ہے جہاں ان کے مقاصد کی تکمیل ہو، جہاں مقاصد کا حصول ممکن نہ ہو وہاں سازشوں کے ذریعے معاشروں کو عوامی حکومت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں جن میں مصر کے انتخابات کی زندہ مثال ہمارے سامنے ہے۔ سب نے دیکھا کہ منتخب حکومت کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟؟ مصالحت کے ذریعے اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کرنے والے ہزاروں مصری مسلمانوں کو انتہائی وحشیانہ مظالم سے شہید اور زخمی کیا گیا، اور جیلوں میں ڈالا گیا، یہ سلسلہ اب بھی جاری وساری ہے اور جمہوریت کی علمبردار حکومتیں اس کا تماشہ دیکھ رہی ہیں۔

SHARIAT

Monthly Islamic Magazine

3rd Year September 2014

مہمانوں سے معذرت! اس گھر کے مکین جنت سدھار چکے ہیں۔